

إِنهَآوَالْهَكْمَ وَآحَدُ
ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے (المکون)

الدَّرَبُ إِلَى الْحَاوِي شرح اُردو عَقِيدَةُ الطَّحَاوِي

تَصْنِيف
الإمام الفقيه حجة الإسلام أبو جعفر الطحاوي الحنفی
وُلِدَ ۲۶۹ھ وَفَاتَ ۳۲۰ھ

شَارِح
مولانا محمد اصغر القاسمی مظفرنگری
فہم اللہ ریس، الفکر، پتھر، اسیسٹنٹ، اسلام آباد

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ استش ظرف سسٹمہ اُنُو و ہا لہ لہ لا ہور
فون: 042-7224228-7221399

اَللّٰهُمَّ اَوْزِرْنَا اِلٰهَکُمْ وَاحِدًا
 ہمارا اور تیرا اسم جو دیکھتا ہے
 [المنکبہ]

الدرر النجوى شرح اُردو عقیدۃ الطحاوی

تصنیف
 الإمام الفقیہ حجة الإسلام أبو جعفر الطحاوی الحنفی
 ولادت ۲۲۹ھ وفات ۳۲۱ھ

شراح
 مولانا محمد اصغر القاسمی مظفرنگری
 خادم التدریس الاقائد مجاہدہ اسلامیہ از علوم ویت

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ مارڈو بازار لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نام کتاب ————— اللہ تعالیٰ

تصنیف ————— الإمام الفقیہ حجۃ الإسلام
أبو جعفر الطحاوی الحنفی

شراح ————— مولانا محمد صفحہ حامی منٹو

مطبع ————— علی اعجاز پرنٹرز

ناشر ————— مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت
طباعت صحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
جس سے قاری غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ
کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر
گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین الدرس الحاوی شرح اردو عقیدۃ الطحاوی

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۷	قدرت و مشیت الہی	۶	مقدمہ
۳۷	ہدایت و خلافت کمالک	۶	فرق بلا
۳۷	ہر چیز نظام قدرت کے مطابق ہے	۹	امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ
۴۰	اس کی قضا کوئی مال نہیں سکتا	۲۱	توحید
۴۰	شرکت سے بالاتر	۲۱	اس کا کوئی شریک نہیں
۴۰	انہی طرف سے ہر شے کے ہونے کا یقین	۲۱	اس کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا
۴۲	خاتم الانبیاء ﷺ	۲۳	اس کے سوا کوئی معبود نہیں
۴۶	آپ کی بعثت جن و بشر کے لئے ہے	۲۳	اس کی ذات قدیم ہے
۴۶	قرآن مجید	۲۳	اس کو کبھی فنا نہیں
	اللہ تعالیٰ کو صفت بشر سے متصف کرنا	۲۴	اسی کا چاہا ہوتا ہے
۵۰	کفر ہے	۲۳	محل اس کا اور اک نہیں کر سکتی
۵۰	دیدار الہی	۲۷	مخلوق اس کے مشابہ نہیں
۵۳	آیت کی تفسیر	۲۷	وہی و قیوم ہے
۵۵	اسلام کی ثبات قدمی	۲۷	خالق و رازق ہے
۵۷	کفر و ایمان کے درمیان مذہب	۲۷	موت و بعثت کمالک ہے
۵۷	دیدار الہی پر ایمان بلا تاویل مستحبر ہے	۲۷	اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے
۵۹	نفی و تشبیہ سے پرہیز راہ حق ہے	۲۷	خلق سے پہلے ہی خالق ہے
۵۹	اللہ تعالیٰ وحدت کیساتھ متصف ہے	۲۷	ہر شے پر قادر۔ ہر شے اس کی محتاج
۵۹	اللہ تعالیٰ حدود و وجہ سے منزہ ہے	۳۳	مخلیق اس کے علم ازلی سے ہے
۶۳	معراج رسول	۳۴	تقدیر
۶۳	حوض کوثر	۳۴	موت کا وقت متعین ہے
۶۳	شفاعت	۳۴	اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے
۶۳	عہد یثاق	۳۴	مخلوق کو اطاعت کا حکم

۹۲	اہل کفار دامنِ جہنمی نہیں ہیں	۶۶	جنتی اور جہنمی کی تعداد علم الہی میں
۹۵	ہر نیک و بد کے پیچھے نماز	۶۶	بندوں کے افعال علم الہی میں
	کسی اہل قبلہ کو جنتی یا دوزخی ہونے کا	۶۸	تقدیر کی حقیقت
۹۵	فیصلہ نہیں کر سکتے	۷۱	لوح و قلم
۹۷	کسی مسلمان پر گوارا ٹھانا جائز نہیں		بندہ کی غلطی اور صواب تقدیر سے وابستہ
۹۷	امام سے بغاوت جائز نہیں	۷۳	ہے
	اہل سنت کی اتباع اور فرقہ بندی سے		کوئی مخلوق تخلیق خداوندی کے بغیر نہیں
۹۹	اجتناب	۷۵	ہو سکتی
۹۹	اہل عدل سے محبت اہل ظلم سے بغض	۷۶	تقدیر کے مسئلہ میں خاصیت ربوبی ہے
۹۹	تشابہات کا علم صرف اللہ کو ہے	۷۶	عرش و کرسی
۹۹	سبح علی الخلقین	۷۹	ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ ہیں
۱۰۲	حج و جہاد قیامت تک فرض ہیں	۷۹	ملائکہ انبیاء اور آسمانی کتابوں پر ایمان
۱۰۲	کرانہ کاتین پر ایمان	۷۹	اہل قبلہ کا ایمان
۱۰۲	ملک الموت	۸۱	ذات باری میں جھگڑا
۱۰۲	عذاب قبر و سوال مکر نکیر	۸۱	قرآن میں مجلولہ
	بعث، جزاء، عرض، حساب، اعمال نامہ۔	۸۳	اہل قبلہ کی تکفیر
۱۰۵	ثواب و عذاب۔ صراط و میزان	۸۳	ایمان کے ساتھ ممانہ معسر
۱۰۹	جنت و جہنم پیدا ہو چکیں	۸۳	مومنوں کی بخشش کی امید
۱۰۹	جنت و جہنم کی تخلیق مخلوق سے پہلے	۸۶	امید و بیم کے درمیان ایمان ہے
	ہر شخص وہی کرے گا جس کے لئے اس کو	۸۶	مومن ایمان سے خارج کب ہو گا؟
۱۰۹	پیدا کیا گیا۔	۸۷	ایمان کی تعریف
۱۰۹	خیر و شر بندہ کا مقدر ہے	۸۸	قرآن وحدیث کی تمام باتیں حق ہیں
۱۱۳	استطاعت کی دو قسمیں	۸۸	وحدت ایمان
۱۱۶	فصل عید، اللہ کی مخلوق اور بندہ کا کسب ہے	۸۸	سب مومن اللہ کے ولی ہیں
۱۱۶	تکلیف و وسعت مساوی ہیں	۹۱	ایمان مفصل
۱۱۷	ہر چیز اللہ کی مشیت سے جاری ہے	۹۱	تمام رسولوں کو برابر ماننا

۱۳۸	مخوفہ رہنے کے لئے اللہ سے دعا	۱۱۷	اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا
	ضمیمہ کتاب	۱۱۷	قضاء کوئی دشرعی
۱۳۹	خلافت الہی اور دینی سیاست	۱۲۰	ایصال ثواب
۱۳۴	خلافت کے تقاضے۔ امام کا قیام	۱۲۰	اللہ بندوں کی دعا قبول کرتا ہے
۱۳۴	باصلاحیت امام کا انتخاب	۱۲۰	حاجت روا دہی ہے
۱۳۹	عہدہ کے طالب کو امام نہیں بنایا جائیگا	۱۲۰	ہر شئی اس کی ملکیت ہے
۱۳۹	شورائی نظام	۱۲۰	ہر شئی اس کی محتاج ہے
۱۵۱	قانون قطعی	۱۲۰	اللہ کی خوشی و نارا فضلی مخلوق جیسی نہیں
۱۵۱	انصاف کے ساتھ فیصلہ		اصحاب رسول سے محبت ایمان اور
۱۵۱	قوم پر سبوح و طاعت لازم	۱۲۳	بعض کفر و نفاق ہے
	ملکی و سرحدی حفاظت۔ اعلاء کلمۃ اللہ	۱۲۶	خلفاء راشدین اور خلافت عشرہ مبشرہ
۱۵۱	اور ہجرت کا محاسبہ	۱۲۷	عشرہ مبشرہ
۱۵۳	لوگوں کے حالات کا محاسبہ		اصحاب رسول کا ذکر خیر کرنے والا
۱۵۳	قیام دین حدود دشرعی کی حفاظت	۱۲۸	نفاق سے بری ہے
۱۵۶	دعوت و تبلیغ اور حدود و قصاص کا نفاذ		تمام علماء سلف صالحین انکا ذکر جمیل
۱۵۶	تعلیم کا نظم و نسق	۱۲۸	کرتے ہیں
۱۵۶	اتحاد المسلمین کی تنظیم	۱۲۸	کوئی ولی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا
		۱۳۱	ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے
		۱۳۱	کرامات اولیاء ثابت ہیں
		۱۳۱	علامات قیامت
		۱۳۳	نبوی کی خبر کی تصدیق نہیں کجائیگی
			کتاب و سنت کے خلاف دعویٰ مقبول
		۱۳۳	نہیں ہوگا
		۱۳۳	جماعت حق، اور فرقہ بندی گمراہی ہے
		۱۳۵	دین الہی ایک ہی ہے
			خاتمہ بالا ایمان اور فرقہ ہلاک سے

مقدمہ

نبی اکرم ﷺ نے مجزہ کے طور پر فرمایا نبی اسرائیل میں اختلاف کی وجہ سے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے تھے میری امت میں بہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں صرف ایک فرقہ ناجی اور جنتی ہو گا باقی سب فرقے غیر ناجی اور ناری ہو گئے صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا وہ ایک ناجی فرقہ کون ہو گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ فرقہ ہو گا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر عمل پیرا ہو گا۔ (اہل سنت والجماعت) طوالت سے احتراز کرتے ہوئے یہاں صرف فرق باطلہ کا اجمالی نقشہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان فرقوں کے تفصیلی عقائد و نظریات معلوم کرنے کیلئے تلبیس ابلیس صفحہ نمبر ۲۲ تا صفحہ نمبر ۲۹ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

اصولی اختلاف کے اعتبار سے فرق خالصہ (۶) ہیں

(۱) روافض (۲) خوارج (۳) جریہ (۴) قدریہ (۵) جہمیہ (۶) مرجیہ

پھر ان میں سے ہر ایک فرقے کی ۱۲ شاخیں ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے

واضح ہیں۔

شمار	فرقہ	فرقہ	فرقہ	فرقہ	فرقہ	فرقہ
	روافض	خوارج	جہریہ	قدریہ	جہمیہ	مرجیہ
۱	علویہ	ازرقیہ	فططریہ	احمدیہ	مطلہ	تارکیہ
۲	امریہ	ایاضیہ	افعالیہ	ثنویہ	مریسیہ	سائبیہ
۳	شیعیہ	ثعلبیہ	مفروغیہ	معتزلہ	ملتزقہ	راجیہ
۴	اسحاقیہ	حازمیہ	نکاریہ	کیسانیہ	واردیہ	شاکبیہ
۵	نادوسیہ	خلفیہ	مبانیہ	شیطانیہ	زنداقہ	بہیسیہ

۶	امامیہ	کوزیہ	کسیبیہ	شریکیہ	حرقیہ	ایمانیہ
۷	زیدیہ	کنزیہ	سابقیہ	وہبیہ	مخلوقیہ	مستثنیہ
۸	عباسیہ	شمراخیہ	حُبّیہ	ربویہ	فانیہ	مشبہ
۹	متناسخہ	اخنسیہ	خوفیہ	بزیہ	عریہ	حشویہ
۱۰	رجعیہ	محکمہ	فکریہ	نلکتیہ	واقفیہ	ظاہریہ
۱۱	لاغیہ	معزلہ	حسنیہ	قاسطیہ	تبریہ	بدعیہ
۱۲	متسرّبصہ	میمونیہ	معیہ	نظامیہ	لفظیہ	منقوصیہ

اہل سنت والجماعت کا مختصر تعارف

یہ جماعت تین لفظوں سے مرکب ہے۔ (۱) اہل۔ معنی اشخاص، مقلدین، اتباع، پیرو۔ (۲) سنت۔ معنی راستہ مجاز آروشن۔ طرز زندگی اور طرز عمل کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں رسول اکرم ﷺ کے طرز زندگی اور طریقہ عمل کو کہتے ہیں۔ (۳) جماعت۔ لغوی معنی تو گروہ کے ہیں۔ لیکن یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے۔ اس لفظی تحقیق سے اہل السنۃ والجماعت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے عقائد و نظریات اور اعمال و مسائل کا محور پیغمبر اسلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام کا اثر مبارک ہے۔

سنت کا مقابل لفظ بدعت ہے، بدعت کے معنی نئی بات کے ہیں کہ اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جس کی تلقین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو۔ اور ان کے کسی حکم یا فعل سے اسکا منشا ظاہر ہوتا ہو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے

علاوہ سب عقائد نظریات بدعت ضلالت ہے۔ (رسالہ اہل سنت)

اہل سنت والجماعت کی پہچان بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس میں دس خصلتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت سے ہے۔ (۱) نبی ﷺ کے بعد تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کو تسلیم کرتا۔ (۲) حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی توقیر کرتا۔ (۳) خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی تقسیم کرتا۔ (۴) متقی اور فاسق کی نماز جنازہ کا قائل ہوتا۔ (۵) صالح اور فاسق کی امامت کو جائز سمجھتا۔ (۶) عادل اور ظالم بادشاہ کی اطاعت کرتا ان سے بغاوت نہ کرتا۔ (۷) مسح علی الخنین کا قائل ہوتا۔ (۸) اچھی بری تقدیر کو اللہ کی طرف سے سمجھتا۔ (۹) انبیاء اور عشرہ مبشرہ کے علاوہ کسی مومن کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت سے احتراز کرتا۔ (۱۰) نماز اور زکوٰۃ کے ادائیگی کو فرض سمجھتا۔

حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ ان علامات کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط و خصائص بیان کی جاتی ہیں مثلاً قیامت میں رویت باری پر ایمان قبر اور احوال برزخ کا حق ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ۷۳ فرقوں کی طرف نشان دہی کی گئی ہے۔ جبکہ فرقے شمار کے اعتبار سے اس سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ بہت سے فرقے باطلہ اس دور میں پیدا ہو رہے ہیں مثلاً بریلویت۔ مودودیت۔ غیر مقلدیت۔ قادیانیت وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ فرقوں کی یہ تعداد اصولی اختلاف کے اعتبار سے ہے ورنہ فرعی اختلاف کے اعتبار سے ان کی تعداد بڑھی ہوئی ہے چنانچہ حکیم الاسلام (مفتی کتاب) فرماتے ہیں

والمراء من الاختلاف بين الفرق اختلاف الاصول لا
اختلاف الفروع والآلا زاد عدد الفرق على ثلاث وسبعين.
والمراء من قوله صلى الله عليه وسلم كلهم في النار الاحلة

واحدة انهم يعذبون عذاباً شديداً لفساد اعتقاداتهم وسوء اعمالهم بخلاف الفساق من اهل السنة والجماعة فانهم يعذبون بسوء اعمالهم.

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں بیان کردہ یہ مقدار تحدید کیلئے نہیں بلکہ کثرت کو بتانے کیلئے ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عربوں میں یہ عدد (۷۳) کثرت کو بتانے کے لیے استعمال ہوتا تھا جیسا کہ ہمارے محاورے اور عرف میں ۱۸/۳۶/۷۰ وغیرہ کے عدد کثرت کو بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ ۷۰ دفعہ تجھ کو سمجھا چکا ہوں مگر تیری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اس میں مراد ۷۰ کی تحدید نہیں ہوتی بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے۔ فکذا هذا

امام طحاوی کا مختصر تعارف

نام و نسب :- ابو جعفر کنیت تھی احمد نام تھا والد کا نام محمد تھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے ابو جعفر احمد بن سلامہ بن مسلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب ازدی۔ حجری۔ طحاوی مصری۔

ازدین کا ایک مشہور ترین قبیلہ ہے اس کی ایک شاخ حجر تھی اور ایک شاخ شنوہ تھی شنوہ سے امتیاز کے لئے حجری کہا جاتا ہے۔ پھر یمن سے مصر منتقل ہو گئے اس لئے مصری کہا جاتا ہے اور طحاوی مصر کے ایک دیہات کا نام ہے وہاں آپ متیم ہو گئے تھے اس لئے طحاوی کہا جاتا ہے۔ (ایضاح المجلد ۱ ج ۱ ص ۴۶)

ولادت :- آپ کے سن ولادت میں چار قول نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) ۱۰ ربیع الاول ۲۳۷ھ (۲) ۲۳۸ھ (۳) ۲۳۹ھ (۴) ۲۴۰ھ بعض

حضرات نے تیسرے قول کو اور حافظ بن نفع نے چوتھے قول کو ترجیح دی ہے۔ مطابق

۲۵ / مئی ۸۵۳ھ (اتحاد العلماء)

وفات :- متفقہ طور پر ۳۰ / شوال شب جمعرات ۳۲۱ھ مطابق ۲۵ / جنوری ۹۳۳ء میں انتقال ہوا اور مصر کی قرائن نامی بہتی میں دفن کئے گئے۔ مقدمہ المانی الاحبار میں صفحہ ۲۹ پر آپ کی پیدائش مدت عمر اور وفات کا تاریخی عدد یہ نکالا ہے۔

پیدائش مصطفیٰ ۲۲۹ھ عمر محمد ۹۲ سال وفات مصطفیٰ ۳۲۱ھ تحصیل علم :- تقریباً تین سو اساتذہ و شیوخ سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کی اور تیسری اور چوتھی صدی کے ان جلیل القدر فقہاء اور بلند پایہ حفاظ حدیث کی صف میں شامل ہو گئے جنہوں نے پوری زندگی کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف کر دی۔ مسلک حنفی قبول کرنا :- آپ کے استاذ امام حرنی مکتب حنفیہ کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے امام طحاوی نے بھی کتب حنفیہ کا کثرت سے مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ تو آپ کو دلائل شافعیہ کے مقابلہ میں دلائل حنفیہ زیادہ محقق اور مضبوط معلوم ہوئے۔ اب آپ کا میلان کتب حنفیہ کی طرف زیادہ ہوا اور فقہ حنفی آپ کے دل کو ایسا بھلایا کہ اب آپ کی پیاس فقہ حنفی سے بجھتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے مسلک شافعی کو چھوڑ کر مسلک حنفی اختیار کر لیا۔ بعض حضرات نے آپ کا شمار تیسرے طبقہ کے محدثین میں کیا ہے لیکن آپ وہ پہلے اور آخری محدث ہیں جنہوں نے طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کے عظیم المرتب محدثین کی روش سے ہٹ کر حنفی مسلک اختیار کیا اور پوری زندگی اسی کی اشاعت کی یہاں تک کہ آپ مسلک حنفی کے بہت بڑے وکیل (بیر شتر) کہلائے۔ (الحاوی مقدمہ المانی ص ۳۲۔ تاریخ کبیر للذہبی، عقیدہ طحاویہ حترجم، مراۃ الجان)

عقیدۃ الطحاوی :- آپ حدیث و فقہ کے امام۔ اجتہادی شان کے مالک اور مجدد تھے۔ آپ کی تصانیف میں (۳۰) سے زائد ہیں۔ معانی الآثار فن حدیث میں آپ کی پہلی تصنیف ہے جو اپنے طریقہ اور انداز بیان کی وجہ سے دیگر سنن پر رائج ہے۔ اور یہ آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ آپ کی گراں قدر تصانیف میں عقیدۃ الطحاوی بھی ہے۔ جو اگرچہ مختصر ہے لیکن فائدے کے اعتبار سے عظیم تر کتاب متصور ہوتی ہے۔ کیونکہ

لام طحاویؒ نے عقائد سے متعلق اس کتاب میں وہ تمام باتیں جمع کر دیں ہیں جس کی ہر مسلمان کو شدید ضرورت ہے اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقائد کو بڑی سادگی سلاست اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ”بیان السبۃ“ ہے جو عقیدۃ الطحاوی کے نام سے مشہور ہے۔ بعض حضرات نے اس کا پورا نام بیان عقائد اہل السبۃ والجماعۃ علیٰ مذهب فقہاء المملۃ بتایا ہے۔

یہ کتاب علم عقائد میں ہے اور کسی بھی فن کی کتاب شروع کرنے سے پہلے سات چیزوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ (۱) فن کی تعریف (۲) فن کی غرض و غایت (۳) فن کا حکم (۴) فن کا مرتبہ (۵) فن کی تدوین (۶) مصنف کے حالات زندگی۔ (۷) فن کا موضوع۔

(۱) تعریف :- وہ شے ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق ہے۔

(۲) غرض :- جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہو۔ غایت وہ نتیجہ جو اس پر مرتب ہو مثلاً کتاب خریدنے کے لئے بازار جانا تو غرض ہے اور کتاب خریدنا غایت ہے۔

(۳) موضوع :- جس کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے۔

(۴) حکم :- شے پر مرتب ہونے والا اثر۔ جیسے کتے کے جھوٹے پانی کا حکم اور اثر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے اس سے وضو مجاز نہیں۔

(۵) مرتبہ :- شے کا مقام۔

(۶) تدوین :- بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینا۔

(۷) حالات مصنف :- یعنی مصنف کتاب کا نام و نسب تعلیم و تعلم علمی

مقام، تصنیف و تالیف اور مسلک وغیرہ کا تعداد فی انداز میں تذکرہ کرنا۔

تعریف : العقائد ما یقصد فیہ نفس الاعتقاد دون العمل

عقائد وہ علم ہے جس میں اعتقاد مقصود ہو عمل مقصود نہ ہو۔ جن احکام کا انسان مخاطب ہے انکی دو قسمیں ہیں۔ (۱) احکام اصلی۔ (۲) احکام فرعی۔ احکام اصلی وہ احکام ہیں جن کے حق ہونے کا دل میں مستحکم یقین ہو جیسے باری تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین۔

احکام فرعی وہ احکام ہیں جو عمل لائے جاتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔

غرض:۔ تقلید سے ترقی کر کے یقین حاصل کرنا۔ (۲) ہدایت کا راستہ ڈھونڈنے والوں کو دلیل سے راستہ دکھانا۔ (۳) مخالفین کو دلیل سے زیر کرنا۔ (۴) کوئی عقائد کی حفاظت کرنا۔ (۵) دوسرے علوم شرعیہ کو اس سے مستحب کرنا۔ کیونکہ علم عقائد سب کے لئے جڑ ہے۔

غایت:۔ ان تمام باتوں کی غایت سعادت داریں ہے۔

موضوع:۔ حقد میں کے نزدیک اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں مگر متاخرین کے نزدیک اس کا موضوع وہ معلومات ہیں جن سے دین محمدیؐ کے عقائد کو ثابت کیا جائے۔

حکم و مرتبہ:۔ بندوں کے تمام اعمال کا صحیح اور مقبول ہونا باطن کی صفائی اور عقائد کی درستگی پر موقوف ہے عقائد صحیح ہوئے بغیر سارے اعمال ظاہرہ ضائع اور لغو ہیں کیونکہ دل میں عقیدہ اور ایمان کی حیثیت ایک درخت کی ہے اور انسان کے ظاہری اعمال اس کی شاخیں ہیں۔ درخت کی جڑ جس قدر مضبوط اور صحیح ہوتی ہے اس کی شاخیں بھی اتنی ہی ہری بھری ہوتی ہیں اور اگر اس کی جڑیں اکھڑ جائیں یا کھوکھلی اور کمزور پڑ جائیں تو اس کی شاخیں بھی اس سے متاثر ہو گئی اور کمزور ہو گئی لہذا حال عقیدہ کے صحیح مضبوط اور کمزور ہونے کا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ علم عقائد کا مقام و مرتبہ بہت اونچا ہے اور اسکی تحصیل فرض ہے۔

تدوین:۔ جس طرح علم فقہ اور اصول فقہ کی تدوین کا سہرا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے سر ہے اسی طرح علم عقائد کی تدوین کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ

ابو حنیفہ کنیت۔ نام نعمان والد کا نام ثابت کوفہ کے رہنے والے تھے اسلئے کوفی کہے جاتے ہیں۔ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے امام مالک سے عمر میں بڑے ہیں۔ اور ان کے استاذ کی بھی سن ۵۰ھ میں وفات ہوئی در مختار کے قول کے مطابق بیس (۲۰) صحابہ اور صاحب اکمال کے قول کے مطابق چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ اور حضور کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے، محمد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ تقریباً بیس فقہاء کا لقب ہوا ہے لیکن ان سب میں زیادہ فقیہ ہونے کی وجہ سے اس لقب سے آپ مشہور ہوئے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بھی چار ہزار ہے اور تلامذہ کی تعداد بھی چار ہزار ہے۔ آپ زہد و تقویٰ، جو دو سخاوت کا پیکر اور اخلاق حسنہ کا مجسمہ تھے۔ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ آپ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفہ۔ کہ تمام انسان فقہ میں ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔ بعض کو تاہ نظر امام صاحب کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہوئے یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ امام صاحب کو چند احادیث یاد تھیں۔ اور عربی زبان میں بھی کمزور تھے۔ جبکہ فصیح اللسان اور بلیغ الکلام ہونے میں آپ کی نظیر نہیں تھی۔ اسی طرح آپ نے صحابہ تابعین وغیرہ سے حدیث کا مکمل علم حاصل کیا۔ اور کوفہ میں جو صحابہ، محدثین، اور فقہاء کا مسکن اور علم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کوئی ایسا محدث نہیں چھوڑا جس سے علم حدیث حاصل نہیں کیا۔

وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کا ذوق علم کلام اور علم حدیث میں لگا ہوا تھا لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگ دینی مسائل میں بے حد پریشان ہیں۔ اور مسائل پوچھنے میں امام صاحب کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو آپ نے اس شدید ضرورت کی وجہ سے فقہ کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ اور اپنے تلامذہ سے بھی فرمایا کہ فقہ میں میرا تعاون کرو۔ امام صاحب

کے تلامذہ دو طرح کے تھے اصحاب الحدیث اور اصحاب الفقہ، تقریباً چالیس (۴۰) تلامذہ نے اجتہاد کا درجہ بھی حاصل کر لیا تھا لیکن آپ کے سبھی تلامذہ نے فقہ کی خدمت کو اپنا مشغلہ اور لوڑھنا بچھونا بنالیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر میں انہیں منصب قضاہ و افتاء پر فائز کیا گیا جس سے آپ کے فقہ کو شہرت ملی۔ اور علم حدیث میں آپ کو اور آپ کے تلامذہ کو وہ شہرت نہیں مل سکی جو آپ کے تلامذہ کے تلامذہ کو حاصل ہوئی کیونکہ ان کا محبوب ترین مشغلہ علم حدیث کی خدمت تھا۔ اس لئے یہ اعتراض بے بنیاد اور تعصب سے بھرا ہوا ہے۔ اور یہ ایک تاریخی مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخصیت آفتاب و مہتاب بنکر آسمان علم پر چمکتی اور ابھرتی ہے اس کے فضائل و کمالات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور دنیا میں ان کے چرچے ہوتے ہیں۔ تو جہاں حق پسند جماعت ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتی ہے اور زمین پر ان کے وجود کو باعث رحمت اور اصلاح کا ذریعہ سمجھتی ہے تو ساتھ ہی حاسدین و معاندین کی جماعت بھی اس کی مخالفت کو اور تنقید کو اپنا نصب العین بنالیتی ہے۔ اور آفتاب پر پردہ ڈالنے کی نپاک اور بے فائدہ کوشش کرتی ہے۔ امام صاحب کی مقدس شخصیت بھی انہیں میں سے ایک ہے جو آپ کے مقبول عند اللہ اور مقبول عند الناس اور برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

بہر حال آپ نے ایک عظیم باب کا دروازہ کھول دیا جس سے پوری انسانیت بھرپور فیضیاب ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ کے ہم عصر علماء و فضلاء نے آپ کی شان میں خوب کلام کیا ہے اور آپ کے فضائل و مناقب میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں اور متقدمین و متاخرین نے آپ کے احسانات کا اعتراف کر کے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ☆ هو المسک ما کررتہ یتضوء
الفقہ زرعه ابن مسعود وسقاہ علقمہ وحصدہ ابراہیم وداسہ
حماد وطحنہ ابو حنیفہ وعجنہ ابو یوسف خبزہ محمد فسائر
الناس یا کلون من خبزہ . (شامی)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ابو یوسف کنیت۔ نام یعقوب والد کا نام ابراہیم، آپ ایک انصاری صحابی حضرت سعدؓ کی اولاد میں سے ہیں آپ کی پیدائش صحیح قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی احکام قضاء میں ابن الحلی سے استفادہ کیا اور فقہ وحدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ سے کلی استفادہ کیا۔ رات دن امام صاحب کی خدمت میں گزارتے تھے۔ اونچے درجہ کے حافظ حدیث تھے اللہ تعالیٰ نے بے نظیر حافظہ دیا تھا آپ کا شمار علامہ ابن جوزی نے ان سوافراد میں کیا ہے جو اس امت کے مخصوص اور بے نظیر صاحب حافظہ ہوئے ہیں آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی بڑی تعداد ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام عمر جیسی مایہ ناز شخصیتوں کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا درس نہایت مقبول تھا عہد قضاء پر فائز ہونے کے بعد آپ کا تدریس و تلمذی مشغلہ برابر رہتا تھا آپ نے اگرچہ اپنی نسبت کو امام صاحب کے ساتھ باقی رکھا مگر آپ کے علمی کمالات اور قوت اجتہاد کے پیش نظر آپ کو مجتہد مطلق ماننا ضروری ہے، آپ امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکن تھے اخلاق حسنہ، زہد و تقویٰ قناعت کے مالک تھے، آپ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبد اللہ کنیت نام محمد والد کا نام حسن۔ اصل مسکن جزیرہ (شام) ولادت ۱۳۲ھ میں واسط میں ہوئی پھر والدین مستقل طور سے کوفہ منتقل ہو گئے کوفہ ہی میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی شیبانی ایک قبیلہ ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے شیبانی کہتے ہیں تفسیر، لغت و لوب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فقہ کی تکمیل امام اعظم اور امام یوسف سے کی اور حدیث کی تکمیل امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ سے کی آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی تعداد بڑی ہے۔ امام شافعی آپ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔

نہایت قوی حافظہ اور حدیث و فقہ کے امام مجتہد تھے۔ کتب تاریخ میں آپ کی تصنیفات و تالیفات ایک ہزار تک بیان کی گئی ہیں جو امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔ سبھی مذاہب کے ائمہ نے آپ کی تدریسی اور تصنیفی خدمات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ شب بیداری آپ کی عادت تھی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ رات میں سوتے کیوں نہیں ہیں۔ تو فرمایا کہ مسلمان ہم پر اعتماد کر کے سوتے ہیں تو میں کیسے خوابوں "کچھ حضرات نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے متعلق فرمایا کہ خلق قرآن کے قائل تھے اور فرقہ جمہیہ یا مرجیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تو یہ قول جھوٹ اور مراخا باطل ہے۔ دونوں کا مستحکم نظریہ ال سنۃ والجماعت کے ساتھ تھا۔ کناذعم البخاری ان الامام اباحنیفۃ والامام محمد جہمیان او مرجئان فهو کذب صریح وباطل کما نقل المحدث الضمیری ان محمداً کان یقول مذہبی مذہب ابی حنیفۃ وأبی یوسف ومذہبہما مذہب الخلفاء الأربعة وقال محمد لا تصلوا خلف من یقول ان القرآن مخلوق وقال ایضاً یؤمن بالقرآن وبالأحادیث الصحیحۃ المتعلّقة بالصفات من غیر تفصیل وتفسیر وتشبیہ لئلا نخرج من السنۃ والجماعۃ ولئلا نکون مثل جہم خارج من الجماعۃ۔

حاصل یہ کہ امام محمدؒ نے فقہ حنفی کی اشاعت اور خدمت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ ہر طرح کی ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق رئیس الجامعۃ دارالعلوم دیوبند

آپ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے صاحبزادہ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پوتے سن ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں دیوبند ہی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام محمد طیب رکھا اور تاریخی نام مظفر الدین اور حضرت مولانا عبدالغنی پھلادویؒ نے خورشید قاسم تجویز کیا۔

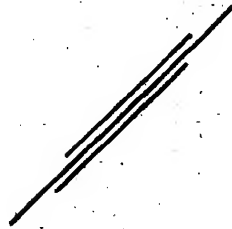
علم و عمل کی دنیا میں خانوادہ قاسمی کسی تعارف کا محتاج نہیں ملک و بیرون ملک چہار جانب اس علمی خانوادہ کی خدمات آفتاب و مہتاب کی طرح روشن ہیں علم و فضل کے نورانی اور پاکیزہ ماحول میں حضرت کی تربیت ہوئی سات سال کی عمر میں حفظ کرنا شروع کیا دو سال کی قلیل مدت میں قرأت و تجوید کے ساتھ قرآن مجید کے حفظ کی تکمیل کی پانچ سال فارسی و ریاضی کی تعلیم حاصل کر کے عربی کا نصاب شروع کیا جس سے ۱۳۳۳ھ میں فراغت حاصل کی حدیث کی سند کو وقت کے مشاہیر علماء و اساتذہ سے حاصل ہوئی آپ کے لائق اساتذہ میں شیخ الہند علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ بلیاویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامۃ العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ آپ کے علم حدیث کے خاص استاذ ہیں۔

علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کے علم و فضل و کاکوت اور آبائی نسبت کی وجہ سے طلبہ میں آپ کا درس نہایت مقبول ہوا درس و تدریس کے ساتھ آپ میدان خطابت کے شہ سوار بھی تھے۔ وعظ و تقریر حقائق و اسرار شریعت کے انداز بیان اور ایجاز مضامین میں آپ کو خدا داد ملکہ اور خاص امتیازی قدرت حاصل تھی آپ کی تقریریں عمومی و خصوصی جلسوں میں بڑے شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں آپ کی تصنیفات سو (۱۰۰) کے قریب ہیں جو حکیمانہ

اسلوب اور اسرار و حکم سے لبریز، نہایت جامع، اور اپنے انداز تحریر میں اپنی مثال آپ ہیں۔

۱۳۵۰ھ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود آپ کا بیعت دار شاد کا سلسلہ سفر و حضر میں برابر جاری رہتا تھا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے جو ہند اور بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۳۴۳ھ میں آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم منتخب کیا گیا اور ۱۳۴۸ھ میں مستقل مہتمم بنادیا گیا۔ دارالعلوم نے آپ کے طویل زمانہ اہتمام میں نمایہ ترقی حاصل کی۔ ۱۹۸۰ء میں آپ کے زیر اہتمام دارالعلوم کا تاریخی اور مثالی جشن صد سالہ دستار بندی ہوا۔ جس میں ملک و بیرون ملک سے مشہور اکابرین علماء اور مقدس ہستیوں اور شاہان مملکت نے شرکت کی اور ماہرین کے اندازہ کے مطابق پچیس لاکھ سے زائد مسلمانوں نے اس جشن میں حصہ لیا۔

۱۹۸۲ھ میں آپ اس دنیا سے دار بقاء کی جانب رحلت فرما گئے۔ اور حرار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔



قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْفَقِيهُ عَلَمُ الْأَنَامِ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ أَبُو جَعْفَرٍ
الْوَرَّاقُ الطَّحَاوِيُّ الْمِصْرِيُّ

ترجمہ: | فرمایا شیخ امام فقیہ سردار خلافت حجۃ الاسلام ابو جعفر وراق طحاوی مصری نے۔

توضیح: | شیخ۔ عمر رسیدہ، مجازاً استاد اور مرشد کے لئے بولا جاتا ہے اور اصطلاح میں محدثین و صوفیاء کے لئے۔ (الفوز السمانی للراحم ج ۱ ص ۴۷) الامام۔ مقتدای قوم۔ الفقیہ علم فقہ کا جاننے والا۔ جمع فقہاء۔ یعنی فقیہ وہ عالم کہلاتا ہے جو اپنی اجتہادی صلاحیت اور غور و فکر کے ساتھ احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سرخ لگائے۔ اور مخفی اور پیچیدہ مسائل کی وضاحت کرے۔ (فائق للزمخشری)

ولهذا لا يجوز ان يسمى الله تعالى فقيها لانه لا يخفى عليه
شئنى (کتاب التعريفات للجرجاني ص ۱۶۴)

علم۔ جہنڈ۔ سردار۔ انام۔ مخلوق۔ حجة۔ دلیل۔ حدیث کی اصطلاح میں وہ محدث جسکو تین لاکھ احادیث کا پورا علم ہو (الفوز السمانی ج ۱ ص ۳۸)

تشریح: | قال الشيخ سے المصری تک۔ یہ عبارت امام طحاوی کی نہیں ہے بلکہ آپ کے کسی شاگرد وغیرہ کا مقولہ ہے۔ جو آپ کی شبلیان اضافہ کیا گیا ہے۔ خود کوئی مصنف یا مولف اپنے لئے اس طرح کے القاب اور مداحیہ کلمات اختیار نہیں کرتا بلکہ بزرگان دین تو اپنی تصانیف و تالیفات میں اپنے نام کا اظہار تواضع و تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں چہ جائیکہ اس طرح کے القاب۔

ابو جعفر۔ امام طحاوی کی کنیت ہے۔ امام صاحب کے حالات شروع کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

الوراق:۔ مبالغہ کا وزن ہے، روپے پیسے والا۔ کاغذ بیچنے والا۔ کاغذ بنانے

والا۔ بہت لکھنے والا۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں آپ کی تصنیفات
 تمیں سے زائد ہیں جن میں بعض بڑی ضخیم ہیں۔ اس لئے آپ کیلئے وراق کا لفظ
 استعمال کیا گیا۔ النجد فی الاعلام میں وراق بعض حضرات کا نام نقل کیا ہے۔ (۱) وراق بن
 محمد بن عبد اللہ نحوی (صاحب علل النحو والحدایہ) متوفی ۹۹ھ (۲) وراق بن محمد بن حبیبہ
 اللہ لغوی نحوی بغدادی نابینا تھے متوفی ۱۰۷۸ھ (۳) وراق محمد بن عمر ابو بکر متوفی
 ۲۴۰ھ شافعی المسلک تھے۔ وراق سے امام ترمذی یا امام بخاری مشہور ہوئے ہیں

هَذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيدَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ
 الْمِلَّةِ أَبِي حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ الْكُوفِيِّ وَأَبِي يُوسُفَ
 وَيَعْقُوبَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْأَنْصَارِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنِ
 الْحَسَنِ الشَّيْبَانِي رِضْوَانَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ وَمَا يَعْتَقِدُونَ مِنْ
 أَصُولِ الدِّينِ وَيَدَّيْنُونَ بِهِ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: یہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے فقہاء ملت ابو حنیفہ نعمان
 بن ثابت کوفی اور ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبد اللہ
 محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مذہب کے مطابق اور اصول دین میں
 جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور رب العالمین کے لئے جس چیز کو وہ دین بنائے ہوئے ہیں۔
 (ان چیزوں کا بیان ہے)

توضیح: مذہب۔ روشن۔ طریقہ۔ اعتقاد۔ اصل جمع مذاہب۔ اسلام کے
 مشہور مذاہب چار ہیں۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ فقہاء فقیہ کی
 جمع۔ علم فقہ جاننے والا۔ ملت مذہب۔ شریعت۔ اس شریعت کو چونکہ املاء کر لیا
 جاتا ہے اور لکھا لکھایا جاتا ہے اس لئے اس کو ملت کہتے ہیں۔ (بیان الفوائد، المنہج اس)
 اہل السنۃ والجماعۃ کی تحقیق صفحہ نمبر (۲۰) پر ملاحظہ ہو۔ فقہاء اہل ملت مبدل
 منہ اور ابی حنیفہ الخ اس سے بدل ہے۔ یا عطف بیان ہے۔ وما یعتقدون کا عطف

بیان پر ہے۔ اعتقاد باب افعال سے ہے۔ پختہ یقین رکھنا۔ اصول اصل کی جمع ہے معنی جز۔ فرع کا مقابل۔ والد۔ مصدر۔ منبع۔ اصول وہ قواعد جس پر کسی علم کی بنیاد ہو اصول دین۔ دین کی بنیادیں یعنی اعتقادات۔ وما یدینون دان یدین باب ض دین اسلام اختیار کرنا۔ ابی حنیفہ امام اعظم کی کنیت۔

نَقُولُ فِي تَوْحِيدِ اللَّهِ مُعْتَقِدِينَ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ (۱) إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَاحِدٌ لَا شَرِيكَ لَهُ. (۲) لَا شَيْءَ مِثْلُهُ (۳) وَلَا شَيْءَ يُعْجِزُهُ.

ترجمہ: توفیق ایزدی کے ساتھ۔ توحید باری سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اکلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ (۲) کائنات کی کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں (۳) اور کوئی بھی شئی اسکو عاجز نہیں کر سکتی۔

توضیح: توحید باب تفعل کا مصدر ہے۔ اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرنا۔ توفیق باب تفعل کا مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے فعل کو اپنی پسند اور مرضی کے مطابق کر دینا۔ اس سے مصنف نے آیت باری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ یعنی وما توفیقی الا باللہ۔ (میرے کام کا بننا اللہ ہی کی مدد سے ہے اللہ۔ صحیح قول کے مطابق یہ اللہ کا علم ذاتی ہے۔ واحد۔ اسم فاعل معنی اکلا۔ لائانی۔ شریک۔ ساجھی جمع شرکاء۔ شئی۔ ممکن چیز۔ جو چیز جانی پہچانی جائے اور اس کی خبر دی جاسکے۔ جمع اشیاء۔ مثل۔ مشابہ۔ نظیر۔ مشابہت جمع امثال۔ یعجز۔ باب افعال سے عاجز کرنا۔ تھکا دینا۔

تشریح: مصنف علیہ الرحمۃ نے توحید باری تعالیٰ سے ابتداء کی ہے۔ اس لئے کہ (۱) توحید اسلام کا رکن ایمان کی اساس اور عبادت کی بنیاد ہے۔

حدیث میں ہے وَخُذُوا اللَّهَ فَإِنَّ التَّوْحِيدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ۔ اللہ کی توحید کا اقرار کرو اس لئے کہ توحید عبادت کی بنیاد ہے۔ اسی لئے بندے کو سب سے پہلے توحید کا موقف بنانا۔ (۲) تمام آسمانی مذاہب کی بنیاد اسی توحید پر ہے۔ ہر نبی نے

اپنے اپنے زمانے میں اولاً توحید کی دعوت پیش کی۔ (۳) قرآن میں جگہ جگہ توحید کو مقدم کر کے بیان کیا۔ (۱) شَهِدَ اللّٰهُ ' اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ۔ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
(۲) فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد) (۲) اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا
فَاعْبُدُونِي (انبیاء) میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کرو۔

(۳) سلوک و معرفت کا پہلا درجہ توحید ہے۔ (۵) کلمہ توحید ہی اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اس کلمہ کی بدولت کفر کی حالت میں کئے گئے مغیرہ و کبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اب عبارت کی تشریح ملاحظہ ہو۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال و شئون (معاملات) میں یکتا ہے اس کا کوئی سا جھی نہیں نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے نہ وہ خود جنس ہے۔ وہی مستحق عبادت ہے۔ اور وہی ہماری توجہات کا قبلہ ہے۔ قرآن مجید کی کثیر آیتیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً (۱) هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (زمر) اللہ تعالیٰ واحد القہار ہے۔ (۲) وَالْهِنَا وَالْهَيْكُمُ وَاجِدٌ (عنکبوت) اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے۔ (۳) لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ (انعام) اس کا کوئی سا جھی نہیں اور اسی کا مجھے حکم ملا ہے۔ (۴) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ۔ ملک میں اس کا کوئی سا جھی نہیں۔ (۵) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف) حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ (۶) لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء) اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو دونوں خراب ہو جائے۔ (۷) وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذَا لَذُھِبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِنَآخِلٍ وَلَعَلَّا بَغَضُنَّ عَلٰی بَغِضٍ (مؤمنون) اسکے ساتھ کوئی معبود نہیں یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی چیز کو بجاتا اور ایک ایک پر چڑھائی کرتا۔ (۸) اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

هَلْ مِنْ شَرِّكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكَ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى
عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (روم) اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا تم کو روزی دی پھر تم کو موحّد دیتا
ہے پھر تم کو جلانے گا کیا تمہارا کوئی شریک ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہے۔

(۳) کسی کام سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) ضعف و کمزوری کہ
اس کام کو کرنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے۔ (۲) جہالت و نادانی اور علم کی کمی۔ اللہ
تعالیٰ ان دونوں صورتوں سے منزہ ہے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور اس کا
علم ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس کے علم اور قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
الْأَرْضِ (فاطر) اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی کوئی چیز نہیں تھکا سکتی۔ إِنَّ اللَّهَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر ہے۔ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَخَاطَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (آیت) اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ (۲) یعنی کائنات کی
کوئی چیز نہ اس کی ذات و صفات کے برابر ہے۔ نہ کسی کا حکم اور فیصلہ اس کے حکم اور
فیصلہ کی طرح ہے۔ نہ کسی کا مقام و مرتبہ اس کے مقام و مرتبہ کے برابر ہے۔ ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (شوری) اس کے مشابہ کوئی شئی نہیں۔ لَمْ
يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (اعلاص) اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(۴) وَلَا إِلَهَ غَيْرُهُ۔ (۵) قَدِيمٌ بَلَا اِبْتَدَاءَ دَائِمٌ بَلَا اِنْتِهَاءَ (۶)
لَا يَفْنَى وَلَا يَبِيدُ (۷) وَلَا يَكُونُ إِلَّا مَا يُرِيدُ (۸) لَا تَبْلُغُهُ الْأَوْهَامُ
وَلَا تُنْزِلُهُ الْأَلْفَاهَامُ۔

ترجمہ: (۴) اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ (۵) وہ قدیم ہے بغیر ابتداء کے
(یعنی اس کی کوئی ابتداء نہیں) وہ ہمیشہ رہنے والا ہے بغیر کسی انتہا کے
(یعنی اس کی کوئی انتہاء نہیں) (۶) نہ وہ ذات فنا ہوگی اور نہ ختم ہوگی (۷) اور جہان میں
نہیں ہو تا مگر وہی جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ (۸) انسانی خیالات اس کی حقیقت تک نہیں

پہنچ سکتے اور نہ ہی عقل انسانی اس کا ادراک کر سکتی ہے۔

توضیح: اللہ۔ معبود جمع الہة۔ قدیم۔ (۱) وہ شئی جو خود بخود موجود ہو اس کا وجود غیر کی وجہ سے نہ ہو۔ (۲) وہ شئی جس کے وجود کی کوئی ابتداء نہ ہو۔ (۳) وہ شئی جس کی ابتداء اور انتہاء نہ ہو۔ (کتاب التعلیقات ص ۱۶۸) ابتداء۔ باب افعال شروع کرنا۔ اتم۔ باب ن سے اسم فاعل ہمیشہ رہنے والی ذات۔ انتہاء۔ باب افعال۔ حد کو پہنچنا۔ یفنی۔ باب س۔ فتح فنا ہوتا۔ یبید۔ باب ض ہلاک ہوتا۔ یرید۔ باب افعال۔ چاہتا۔ خواہش کرنا۔ تبلیغ۔ باب ن پہنچنا۔ اوہام۔ وہم کی جمع ہے دل میں گزرنے والا خیال، قوت و ہرہ کو بھی وہم کہتے ہیں جس سے محسوسات کے جزوی معانی دریافت ہوتے ہیں جیسے زید کی شجاعت۔ سخاوت۔ افہام۔ فہم کی جمع ہے سمجھ۔ کسی چیز کا تصور۔

تشریح: (۴) ارشاد باری ہے۔ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُهُ (اعراف) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (۵) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی (ہمیشہ سے) ہے اور ابد (ہمیشہ) رہے گی۔ قرآن وحدیث میں قدیم کو اول سے اور ”دام“ کو آخر سے تعبیر کیا ہے فرمایا: هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَهُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ۔ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ (مسلم شریف) اے اللہ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تجھ سے بعد میں کچھ نہیں۔ اول و آخر کو مطلق بیان کیا ہے۔ اول مطلق جس کی ابتداء میں کوئی حد نہ ہو۔ اسی کو ازلی اور قدیم کہا جاتا ہے۔ آخر مطلق جس کی انتہا میں کوئی حد نہ ہو۔ اس کو دائمی اور ابدی کہا جاتا ہے۔ فَهُوَ قَدِيمٌ لَمْ يَزَلْ. وَذَاتٌ لَا يَزَالُ۔ (۶) اس کی ذات فنا نہیں ہوگی کیونکہ وہ ازلی اور ابدی ہے اور بیماری۔ کمزوری۔ فنا و ہلاکت ان چیزوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو فنا ہونے والی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ كُلُّ هُنَّ عَلَيْهِنَّ أَفَانٌ. يَبْنِي وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (رحمن) زمین کی ہر

چیز فنا ہوگی۔ اور تیرے رب کی عظمت و برکت والی ذات باقی رہے گی۔ کُلُّ شَيْءٍ خَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ختم ہونے والی ہے۔ پھر موجود کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ممکن۔ جس کو وجود خارج سے لاحق ہوتا ہے۔ (۲) واجب۔ کہ وجود اس کی ذات میں داخل ہو اس سے کبھی جدا نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے وجود اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا کہ اس پر فنا طاری ہو۔ فَيُجِبُّ لَهُ الْبَقَاءُ أَبَدًا وَلَا يُمْكِنُ لَهُ الْفَنَاءُ آتَا۔ (۷) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز مثلاً مومن کا ایمان کافر کا کفر بندوں کے اچھے برے اعمال۔ نفع و نقصان سب اللہ کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ (هود) نہ کارگر ہوگی تم کو نصیحت میری جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہو گا کہ تم کو گمراہ کرے۔ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (احزاب) تو کہہ کہ کون ہے جو تم کو بچائے اللہ ہے اگر چاہے تم پر برائی۔ یا چاہے تم پر مہربانی۔ اس میں فرقہ قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر مومن اسکے ارادہ کے مطابق ایمان لے آتا ہے، کافر ایمان نہیں لاتا نہیں یہ خدشہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو مرید کفر ٹھہرا جائے تو یہ اللہ کی جانب غلط انتساب ہے، مگر ان کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے۔ اور غلط طور کب کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

افعال عباد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) افعال

خَلْقُ اور كَسْبُ کا فرق: اضطراریہ یعنی وہ افعال جو بندہ سے اس کے

ارادہ کے بغیر صادر ہوتے ہیں جیسے اس شخص کی حرکت جسے رَحْمَہ کا غرض ہو اس طرح کے افعال صرف اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کے صدور میں بندہ کی قدرت اور اختیار کو کوئی دخل نہیں (۲) افعال اختیاریہ وہ افعال جو بندہ کے ارادہ و اختیار سے صادر ہوتے

ہیں۔ جیسے کفر۔ ایمان۔ نماز۔ طاعت و معصیت۔ یہ محل اختلاف ہے۔ بل سنت والجماعت کے نزدیک بندوں کے افعال اختیار یہ بندے اور خدا تعالیٰ دونوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں بندہ کی قدرت کا تعلق کسب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق خلق سے ہے خلق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہ بندے کے اندر عمل کی قدرت کے پیدا کرنے کا نام ہے۔ کسب بندہ کا فعل ہے۔ یعنی خدا کی دی ہوئی قدرت کو استعمال کرنا، بندہ جب اللہ کی دی ہوئی اس قدرت کو (جو حادث ہے) استعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قدیمہ سے وہ عمل موجود فرما دیتے ہیں۔ اور کسی چیز کو موجود کرنے اور پیدا کرنے کیلئے اس چیز کے تفصیلی احوال کا جاننا ضروری ہے، اور یہ صفت صرف خدا کی ذات میں موجود ہے۔ بندہ میں یہ صفت نہیں پائی جاتی اس لئے اللہ تعالیٰ خالق افعال اور بندہ کا سب افعال کہلاتا ہے، اور چونکہ بندے میں قدرت و اختیار باقی ہے اس لئے اس کو افعال کا مکلف بنانا صحیح ہے۔ اور جب بندہ اچھے برے اعمال کا کاسب ہے، تو مدح و ذم، اور ثواب و عقاب کا مستحق ٹھہرانا بھی درست ہے۔

(۸) اسباب علم تین ہیں۔ (۱) حواس سلیمہ۔ (۲) عقل۔ (۳) خبر صادق۔ حواس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ظاہری۔ (۲) باطنی۔ حواس ظاہری پانچ ہیں۔ (۱) سمع۔ سننے کی طاقت۔ (۲) بصر دیکھنے کی طاقت۔ (۳) شم بو بگھنے کی طاقت۔ (۴) ذائقہ چکھنے کی طاقت۔ (۵) لمس چھونے کی طاقت۔ حواس باطنی بھی پانچ ہیں۔ (۱) حس مشترک وہ قوت جو ظاہری چیزوں کی صورت کو حاصل کرتی ہے۔ جیسے جامع مسجد کی صورت۔ (۲) قوت متغییلہ وہ قوت جس میں حس مشترک کے ذریعہ حاصل ہوئی صورتیں جمع ہوتی ہیں۔ (۳) قوت داحمہ۔ وہ قوت جس میں وہم کے ذریعہ حاصل شدہ چیزیں جمع رہتی ہیں۔ (۵) قوت منصرفہ۔ جو حاصل شدہ چیزوں میں جوڑ توڑ لگاتی رہتی ہے۔

انسان بہت سی چیزوں کا اور اک اپنے حواس ظاہری و باطنی کے ذریعہ کرتا ہے لیکن حواس کا یہ اور اک ایک مقام پر چل کر رک جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ حواس کام نہیں

کہاتے پھر انسان بہت سی چیزوں کا اور اک اپنی عقل کے ذریعہ کرتا ہے۔ مگر چونکہ بہت سی چیزیں عقل کی پرواز سے بھی بالاتر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حواس اور عقل دونوں مادی چیزیں ہیں اس لئے ان کے ذریعہ صرف مادی چیزوں کا اور اک کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ علویات کے اجسام لطیفہ نورانیہ تک ان قوتوں کی رسائی نہیں ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مَا لَا غَيْنَ رَأَتْ وَلَا أَذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَيَّ قَلْبُ بَشَرٍ۔ یعنی وہ نعمتیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال گذرے حالانکہ جنت عالم علویات کی جسمانی چیز ہے۔ تو جب ان قوتوں کی رسائی اجسام نوری اور حقائق غیب تک نہیں ہے تو اللہ کی ذات تک ان کی رسائی کیسی ہو سکتی ہے۔ جو غیب مطلق ہے۔ جنید بغدادی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللَّهِ أَجَلٌ مِنْ ذَلِكَ۔ جو خیال تیرے دل میں گذرے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ یعنی وہ دو ہم و گمان سے منزہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَا يُجِيطُونَ بِهِ عِلْماً (ط) بندے اس کی ذات کا اپنے علم سے احاطہ نہیں کر سکتے۔

لغت کی کتاب ”صحاح“ میں وہم کے معنی گمان، ظن اور فہم کے معنی علم کے بیان کئے ہیں کہا جاتا ہے۔ تَوَهَّمْتُ الشَّيْءَ ظَنَنْتُهُ وَفَهِمْتُ الشَّيْءَ عَلِمْتُهُ۔ اس طرح آیت میں علم کی نفی سے فہم کی نفی ہو گئی۔ فَمَا ظَنُّكَ بِالْوَهْمِ۔ یعنی وہم کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔

(۹) وَلَا يَشْبَهُهُ الْإِنْسَانُ (۱۰) حَتَّى لَا يَمُوتَ قِيَوْمٌ لَا يَنَامُ (۱۱)
خَالِقٌ بَلَا حَاجَةٍ رَازِقٌ بَلَا مَوْنَةٍ (۱۲) مُعِيتٌ بَلَا مُخَافَةٍ بَاعِثٌ
بَلَا مُشَقَّةٍ (۱۳) مَا زَالَ بِصِفَاتِهِ قَدِيمًا قَبْلَ خَلْقِهِلَمْ يَزِدْ
بِكُونِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهِ وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهِ
أَزَلًا كَذَلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهِمْ أَبَدِيًّا۔

ترجمہ: (۹) کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں (۱۰) وہ ایسا زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور ایسا محافظ جس کو کبھی نیند نہیں آتی (۱۱) وہ سب کائنات کا خالق ہے اپنی کسی حاجت کے بغیر۔ بلا مشقت کے سب کو روزی دینے والا ہے۔ (۱۲) وہ سب کو موت کی نیند سلانے والا ہے۔ بغیر کسی کے ڈر کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے (مرنے کے بعد) بغیر کسی مشقت کے (۱۳) وہ ہمیشہ سے اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سے اضافہ نہیں ہوا اس کے کسی وصف میں مخلوق پیدا کرنے کے بعد کسی چیز کا جو مخلوق پیدا کرنے سے پہلے اس میں نہ ہو اور جیسے وہ اپنی جملہ صفات کے ساتھ ازلی ہے ایسے ہی جملہ صفات کے ساتھ ابدی ہے۔

توضیح: قیوم قیام سے نکلا ہے معنی کھڑا ہونا قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں قیوم اور قیام مبالغہ کے صیغہ ہیں۔ جن کے معنی ہیں جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھے اور سنبھالے۔ اسی لئے قیوم حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقا میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں تو وہ دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہے۔ اسی وجہ سے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن) سمیت باب افعال سے اسم فاعل مارنے والا۔ مخافة مصدر باب س ڈرنا۔ باعث باب ف اسم فاعل السمیت دوبارہ زندہ کرنا والا۔ منشقة میم کے زیر اور زیر کے ساتھ دشواری۔ محنت جمع مشاق۔ و مشقات۔ صفات صفت کی جمع ہے۔ وہ اسم جو ذات کے احوال بتائے جیسے چھوٹا بڑا ہونا وغیرہ۔ قدیم پرانا جمع گدلمہ۔ ازلیا ازلی قدیمی وہ ذات جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ ابدی وہ ذات جس کے وجود کی انتہاء نہ ہو۔

(۹) ارشاد باری ہے۔ لیس کمثله شئی۔ کوئی شی اس کے مشابہ نہیں جس کے ساتھ اسکو شبیہ دی جاسکے۔ یہ نفی ذات صفات۔ افعال ہر اعتبار سے عام ہے۔ کیونکہ وجود۔ قدرت۔ علم۔ سمع۔ رویت۔ عروق

وزول۔ محک۔ عرش پر قیام وغیرہ صفات اگرچہ بندوں میں بھی ہیں اور ذات باری تعالیٰ میں بھی مگر بندوں میں ان کی شان کے اعتبار سے اور اللہ تعالیٰ میں اسکی عظیم شان کے اعتبار سے، اسلئے بندوں کے افعال حتیٰ کہ ذات و صفات اللہ کی ذات و صفات اور افعال سے کسی طرح مشابہ نہیں ہیں۔ (شرح فقہ اکبر) اس میں مصنف نے ان فرق ضالہ کی تردید کی ہے جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

(۱۰) ارشاد باری ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْخَيْرِ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔ (فرقان) اس زندہ رہنے والی ذات پر بھروسہ کر جس کو کبھی موت نہیں آئیگی۔ کیونکہ موت مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ تو خود خالق موت ہے۔ خالق کی صفت ہے ازلی اور ابدی ہونا۔

ارشاد باری ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْخَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ۔ (بقرہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ رہنے والا محافظ نہیں پڑ سکتی اسکو اونگھ اور نہ نیند۔ ”سِنَةٌ“ کے معنی اونگھ اور نیند کے آثار کے ہیں اور ”نوم“ مکمل نیند کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں موت کے مشابہ ہیں اور انکی وجہ سے زندگی میں نقص پیدا ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کی ذات جملہ عوارضات سے پاک و صاف ہے۔ اور اس کی زندگی کمال حیات اور حیات ابدی کے ساتھ متصف ہے۔ جو پورے عالم کے نظام کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے دیگر مخلوق کی طرح اتنا بڑا کام نہ اس کے لئے مشکل ہے اور نہ تھکان کا باعث ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا (بقرہ) نہیں تھکاتی اس کو ان دونوں کی حفاظت۔

(۱۱) ارشاد باری ہے۔ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (زمر) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (نہمان) یہ (آسمان وزمین وغیرہ) اللہ کی مخلوق ہے۔ پس مجھے بتاؤ اسکے علاوہ نے کیا پیدا کیا۔ معلوم ہوا خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔ کوئی مخلوق خالق نہیں ہو سکتی کیونکہ پیدا کرنے کا مطلب ہے۔ شئی کو وجود دینا۔ اور وجود دینی دے سکتا ہے۔ جس کا وجود ذاتی ہو خارجی نہ

ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اس کا وجود ذاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ اس لئے مخلوق کا پیدا کرنا اپنی کسی حاجت و ضرورت کی وجہ سے نہیں۔ یہ تو اس کی شانِ صمدیت کے متافی ہے۔ بلکہ یہ تخلیق صرف اس کا فضل ہے۔ تاکہ بندگانِ خدا پر اس کی فیاضی۔ اور عدل و فضل کا ظہور ہو۔ اور مخلوق کی نیازِ مندی اور خالق کی بے نیازی ظاہر ہو۔ ارشادِ باری ہے مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ۔ (ذریات) میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا۔ زور آور۔ مضبوط۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ (فاطر) اے لوگوں تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے۔ رعای عبادت جس کو قرآن مجید میں تخلیق کا مقصد بتایا ہے۔ تو یہ خداوند تعالیٰ کی معبودیت اور بندگانِ خدا کی عبدیت ظاہر کرنے کیلئے ہے جس میں بندوں کی منفعت کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ کی عبادت اور اعمالِ صالحہ کر کے اللہ کی رضا حاصل کریں اور انعام و اکرام کے مستحق بنیں۔ ارشادِ باری ہے۔ مَنْ عَمِلْ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا۔ جس نے نیک عمل کیا تو اپنے لئے۔ اور جس نے برا عمل کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگانِ خودے کنم

اللہ تعالیٰ کی طاقت تمام کائنات پر عیاں ہے۔ عالم کا یہ روز افزوں نظام اس کی قدرت کا ظہور ہے کھانے والی مخلوق کی تعداد جس قدر بڑھتی ہے۔ غذائیں اور خوراک اس سے زیادہ مقدار میں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ ہر فرد بشر اس کا بالیقین مشاہدہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے رزقِ رسانی جب برابر مشکل نہیں۔ اس کو کمالِ قوت اور کمالِ قدرت حاصل ہے۔ اس کی قدرت کی شان تو یہ ہے۔ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔

(۱۲) جس طرح اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں مخلوق کا پیدا کرنا ہے۔ موت

دزدگی بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو جب چاہتا ہے موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حیات عطا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بیوہ کر دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے خاندان صاف کر دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے بستیاں خالی کر دیتا ہے۔ اور اس عمل میں نہ اس کو کسی کا خوف نہ ڈرنہ کسی کی معصرت کا اندیشہ اس لئے کہ خوف و معصرت معجز کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے معجز سے بالاتر ہے۔ جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کو سزا دینے کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں سوش برپا نہ ہو جائے۔ یا ملکی انتظام میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ ایسی کوئی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کیلئے اس کا پیچھا کرے گی۔ العیاذ باللہ۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے تمام احوال سے بخوبی واقف ہے۔ اسی کے لحاظ سے اس نے عمریں مقدر فرمائی ہیں۔ جب اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو فیصلہ خداوندی کے مطابق موت اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ موت دزدگی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نَشْوَراً (فرقان) اور نہیں مالک ہیں وہ مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے۔ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (ملک) اللہ وہ ذات ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا برحق ہے۔ جس نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی نمونہ کے اپنے نظام کن فیکون کے ذریعہ پیدا کر دیا۔ اس کے لئے دوبارہ ان ریزوں کو جمع کرنا اور پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ جبکہ خود خالق کائنات فرما رہا ہے۔ وَإِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهِ وَإِنَّ اللَّهَ يَنْفَعُ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ وَذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ يَسْتَوِي۔ اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اس لئے کہ بعث نام ہے۔ اعادہ کا یعنی شئی کو اس کی پہلی حالت پر لوٹانے کا۔ ارشاد باری ہے۔ كَمَا اَنْشَأْنَاهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ جیسا کہ ہم نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا

کیا۔ معلوم ہوا کہ جو ذات کسی شئی کی تخلیق پر بلا مشقت قادر ہے وہ اعادہ پر بلا مشقت بدرجہ اولیٰ قادر ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ضعیف ہونا لازم آئے گا جو اس کی قدرت کاملہ کے منافی ہے۔

(۱۳) قرآن کریم کی اصطلاح میں اللہ صرف ذات یا صرف صفات باری کا نام نہیں ہے بلکہ ذات و صفات دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور ازلی ہے اس کی صفات بھی ازلی ہیں۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے۔ مارنے جلانے۔ رزق دینے وغیرہ کی یہ تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ میں ازل سے موجود ہیں۔ مخلوق کے پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو خالق یا رزق دینے کی وجہ سے اس کو رازق یا موت دینے کی وجہ سے اس کو ممیت نہیں کہا جاتا۔ بلکہ وہ ازلی طور پر خالق و رازق ہے۔ کسی شئی کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کی کسی صفت میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ کسی شئی کو ختم کرنے کی وجہ سے اسکی کسی صفت میں کمی آتی۔ بلکہ وہ ذات کی طرح قَبْلُ الْخَلْقِ وَبَعْدُ الْخَلْقِ۔ قدیم الصفات ہے۔ اس لئے کہ اگر مخلوق کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو خالق کہا جائیگا تو خالق پر مخلوق کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ خالق مخلوق پر مقدم ہے جس کی وجہ سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اور اگر بلا خالق کسی شئی کی تخلیق عمل میں آئے۔ تو لازم آئے گا کہ ذات باری کی طرح وہ حادث نہ ہو۔ حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔ کما مر تفصیل۔ اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ذات و صفات دونوں اعتبار سے ازلی اور قدیم ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا اشیاء ممکنہ کے ساتھ ایک تعلق ہے وہ یہ کہ اگر وہ اشیاء معدوم ہیں۔ تو تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان کو جانتا ہے۔ اور ان کے پیدا کرنے۔ حفاظت و تربیت کرنے۔ اور ان کی موت و زندگی پر قادر ہے اور اگر وہ اشیاء موجود ہیں تو تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور جب تک چاہے گا ان کو باقی رکھے گا جیسے کاتب حالت کتابت میں کاتب بالفعل ہے۔ لیکن اگر وہ کتابت نہ کرے تو پھر بھی وہ کاتب بالقوہ ہے۔ کیونکہ کتابت کی صفت اس کے ساتھ قائم ہے۔ جب چاہے وہ کتابت کر سکتا ہے۔

(۱۴) لَيْسَ مِنْهُ خَلْقُ الْخَلْقِ اسْتِفَادَ اسْمُ الْخَالِقِ وَلَا بِأَحْدَاثِهِ
الْبَرِيَّةِ اسْمُ الْبَارِئِ لَهُ مَعْنَى الرُّبُوبِيَّةِ وَلَا مَرْبُوبَ وَمَعْنَى الْخَالِقِيَّةِ
وَلَا مَخْلُوقَ وَكَمَا أَنَّهُ مُخَيِّ الْمَوْتَى بَعْدَ مَا خَيَّ اسْتَحَقَّ هَذَا
الْإِسْمَ قَبْلَ إِحْيَائِهِمْ كَذَلِكَ اسْتَحَقَّ اسْمُ الْخَالِقِ قَبْلَ انْشَائِهِمْ.

ترجمہ: اس نے مخلوق پیدا کرنے کے بعد اپنے لئے خالق کا نام وضع نہیں کیا اور نہ ہی مخلوق کو وجود میں لا کر باری کا نام اختیار کیا بلکہ اس کے لئے ربوبیت کی صفت اس وقت سے ہے جبکہ کوئی مربوب (پلنے والا) بھی نہیں تھا اور خالقیت کی صفت اس وقت سے ہے جبکہ کوئی مخلوق بھی نہیں تھی اور جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد مٹی (زندہ کرنے والا) کہلاتا ہے بعینہ وہ ان کے زندہ کرنے سے پہلے بھی اس نام کا مستحق ہے۔ اسی طرح ان کے (مخلوق) کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خالق نام کی مستحق ہے۔

توضیح: استِفَادَ باب استفعال حاصل کرنا۔ اَحْدَاثَ باب افعال ایجاد کرنا۔ پیداکرنا۔ بَرِيَّةَ۔ مخلوق جمع بنیایا۔ باری خالق۔ پیدا کرنے والا۔ مربوب اس مفعول جس کی تربیت کیجائے۔ انشاء۔ باب افعال۔ پیدا کرنا۔

تشریح: (۱۳) قرآن کریم میں صفات باری تعالیٰ کو ماضی مطلق کے صیغہ کے ذریعہ باری تعالیٰ کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور اس کی ذات کے لئے انہیں ثابت کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ كَانِ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ كَانِ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا۔ كَانِ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا وَكَانِ اللّٰهُ سَمِيْعًا نَّبِيْرًا وَغِيْرہ۔ ان آیات سے اس جانب صاف اشارہ ہو گیا کہ یہ صفات باری تعالیٰ کے لئے ازل ہی سے ثابت ہیں۔ ارشاد باری ہے هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (مشر) وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا۔ صورت دینا والا اسی کے سب نام خاصے۔ اس رکوع میں تمام صفات باری

کوماضى حال مستقبل کسى زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قَبْلُ الْخَلْقِ (ازل میں) بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اور بَعْدُ الْخَلْقِ (اب میں) بھی۔

(۱۵) ذَلِكْ بَانَّةٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَيْهِ فَقِيرٌ وَكُلُّ أَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيرٌ لَا يَحْتَاجُ إِلَى شَيْءٍ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ.

ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر کام اس کے لئے آسان ہے وہ کسی شے کا محتاج نہیں۔ اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

تشریح: (۱۵) اس عبارت کے ذریعہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد صفات باری تعالیٰ کو ازلی ثابت کرنا اور فرق باطلہ کی تردید ہے۔ چنانچہ ”شئى“ قَدِيرٌ “میں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ بندے کو خالق افعال کہتے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ سے مشبہ کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور ہو السميع البصير کے ذریعہ مطلقہ کی تردید ہے جو صفات باری کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۶) خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهِ (۱۷) وَقَدَّرَ لَهُمْ أَقْدَارًا (۱۸) وَضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا (۱۹) لَمْ يَخَفْ عَلَيْهِ شَيْءٌ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُونَ قَبْلَ أَنْ يُخْلُقَهُمْ (۲۰) وَ أَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهِ وَنَهَاَهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ.

ترجمہ: اس نے (اللہ تعالیٰ نے) مخلوق کو اپنے علم (ازلی) سے پیدا کیا۔ (۱۷) اور ان کی تقدیریں بنائیں۔ (۱۸) اور ان (مخلوق میں ہر ایک) کا آخری وقت مقرر کیا۔ (۱۹) ان (مخلوق کو) پیدا کرنے سے پہلے اس پر کوئی چیز مخفی

نہیں تھی اور وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے یہ جانتا تھا کہ وہ (اپنی زندگی میں) کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ (۲۰) اس نے بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے روکا۔

توضیح: خلق بمعنی اَوْجَد وانشأ کبھی قَدَّر کے معنی میں بھی آتا ہے بعلمہ حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ اِی خَلَقَهُمْ

عالمًا بِهِمْ قَدَّر باب تفعل سے کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔ اندازہ مقرر کرنا۔ اقدار قدر کی جمع ہے۔ معنی انتہاء قدر کا مفعول بہ ہے۔ آجَال اجل کی جمع ہے۔ عمر کی مقدار مدت۔ طاعت بخوشی امر کی بجا آوری۔ معصیۃ بالارادہ حکم کی نافرمانی۔

تشریح: (۱۶) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ کیونکہ خالق کے لئے لازم ہے کہ وہ مخلوق کے تفصیل

احوال سے واقف ہو ورنہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ مخلوق کو جو علم و کمال حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا عطیہ ہے۔ اسی کے ذریعہ بندے راہیاب ہوتے ہیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو دوسروں کو علم و کمال عطا کرے۔ خود اس سے خالی ہو۔ بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو حاوی ہے، خواہ وہ موجود ہو یا غائب ہو۔ ارشاد باری ہے۔ هُوَ غَالِبُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غیب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ رَبُّنَا الَّذِي اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی (طہ) بار بار وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ بھائی۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص انداز میں بنایا۔ اور جس چیز کو جن افعال کے لئے پیدا کیا اس سے وہی افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اعضاء کا تناسب اور فطری موزونیت کا پورا لحاظ رکھا جس کو دیکھ کر ہر انسان کہہ اٹھتا ہے۔ صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِي اَنْشَأَ كُلَّ شَيْءٍ (نمل) کھڑی گری اللہ کی جس نے درست کیا ہر چیز کو۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْعَالَمِينَ

ارشاد باری ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُءُوهُ تَقْدِيرًا اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ناپ کر۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق فنا ہو گی۔ ان کے فنا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں مرنے والا خواہ اپنی طبعی موت مرے یا کوئی اسے قتل کرے ہر صورت میں وقت مقررہ پر موت آئے گی۔ رہا قاتل قتل کی سزا ملنا تو وہ اس کو اس کے جرم کا ارادہ اور کسب کی وجہ سے دی جائے گی اس وجہ سے نہیں کہ اس نے قتل کر کے اس کو وقت سے پہلے موت کی نیند سلا دیا بلکہ اس کی موت اس کے مقررہ وقت پر واقع ہوئی ہے۔ کوئی مخلوق اپنے وقت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر) ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ مگر صحیح طریقہ پر۔ اور وعدہ مقرر پر۔ قرآن کریم نے عالم کی کچھ مخصوص چیزوں مثلاً۔ جن۔ بشر۔ ملک۔ فلک۔ وغیرہ کی مدتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیب و حاضر کا جاننے والا ہے اس کو مَا كَانُ اور مَا يَكُونُ (جو ہو چکا اور جو ہوگا) کا مکمل علم ہے۔ وہ ازل ہی سے مخلوق کے تفصیلی احوال سے باخبر ہے۔ اسلئے کہ مخلوق سے جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (صافات) اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔ اس میں رد و انقض اور قدریہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے اعمال کا عمل نہیں ہوتا۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کا انسان کو اشرف المخلوقات بنانا۔ عقل و فہم سے مالا مال کرنا۔ کسب و اختیار کی قوت عطا کرنا۔ ایک خاص مقصد کے لئے ہے وہ یہ کہ انسان آزاد نہیں ہے بلکہ وہ اطاعت و عبادت خداوندی کا مکلف ہے۔ اور احکام شرع کا پابند ہے اسی لئے اس کو باقاعدہ ایک شریعت اور طریقہ دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے خالق کی اطاعت و عبادت کرنے اور نامرضیات سے احتیاط و اجتناب کو زندگی کا مشغلہ بنا کر رہے۔ ارشاد

باری ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْمَغْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (محل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل۔ احسان۔ قریوں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور فحش و منکر اور ظلم و جہالت سے منع کرتا ہے۔ قرآن کریم اور امر و نواہی سے بھرا ہوا ہے۔ اور رسول اللہ کے اوامر و نواہی بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہیں۔

(۲۱) كُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِقُدْرَتِهِ وَمَشِيئَتُهُ تَنْقُذُ لَامَشِيئَةَ لِلْعِبَادِ إِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَهُمْ يَكُنْ (۲۲) يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِي فَضْلًا وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ وَيُعَلِّي عَذْلًا. (۲۳) وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُونَ فِي مَشِيئَتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَذْلِهِ.

ترجمہ: (۲۱) ہر چیز اس کے نظام قدرت کے مطابق چلتی ہے اور (اس جہان میں) اسی کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندوں کی کوئی مشیت نہیں ہوتی ہے مگر جو اللہ تعالیٰ ان کے لئے چاہے۔ (۲۲) وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے ہدایت دیتا حفاظت کرتا اور معصیت دور کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل و انصاف کی بنیاد پر گمراہ کرتا۔ رسوا کرتا اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ (۲۳) اور تمام دنیا اس کی مشیت (حکومت میں) اس فضل و کرم اور عدل و انصاف کے درمیان (زندگی کے مختلف مسائل سے) دوچار ہے۔

توضیح: تقدیرت۔ فعل یا ترک فعل کی طاقت تقدیر الہی۔ مشیت۔ ارادہ خواہش۔ یعصم باب مض حفاظت کرنا۔ یعافی باب معافیت ہے۔ معصیت دور کرنا۔ فضلاً فضل۔ ابتداء احسان بلا عطف۔ یعنی بندے کو وہ چیز دیتا جس کا وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستحق نہیں۔ اور ایسی نعمتیں عطا کرتا جن کا وہ اپنی

شان کے لحاظ سے مستحق نہیں یُضِل۔ باب افعال سے گمراہ کرنا یُغْضِل باب ان
مدد چھوڑنا۔ رسوا کرنا۔ یُبْطِل باب افعال سے آزمائش کرنا۔ فضلاء وعدلاء۔ مفعول لہ
ہیں۔ یَنْقَلِبُونَ باب تفعیل سے پلٹنا۔

تشریح: (۲۱) اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے جملہ امور کو تقدیر یعنی اپنے نظام
قدرت سے وابستہ کر دیا ہے۔ چنانچہ مومن کا ایمان۔ کافر کا کفر
فاسق کا فسق غنی کی مالداری۔ فقیر کی فقری۔ نفع نقصان سب تقدیر الہی کے مطابق
ظہور میں آتے ہیں۔ اور جس مخلوق کو جو کام سپرد کر دیا۔ وہ اسی کے لئے مسخر ہے۔
ارشاد باری ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ (یس) اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر۔ یہ سادھا ہے
زبردست باخبر نے۔ وَالْفُلُكُ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِ (ج) اور کشتیاں چلتی
ہیں دریا میں اسی کے حکم سے۔

ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندہ اگر کسی چیز کے کرنے کا
ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال نہ ہو تو وہ چیز ٹھنک بندہ کے ارادہ سے وجود
میں نہیں آسکتی اور اگر بندہ نے ارادہ بھی نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسکو موجود کرنے
کا ہے۔ تو وہ شی موجود ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ
اللَّهُ (دھر) اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔
فَمَا شِئْتُ كَانَ وَإِنْ لَمْ أَشَأْ وَمَا شِئْتُ إِنْ لَمْ تَشَأْ لَمْ تَكُنْ
معلوم ہوا مومن کا ایمان کافر کا کفر وغیرہ مخلوق کے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی
مشیت اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں۔ البتہ کافر کا کفر وغیرہ معصیہ مراد الہی تو ہیں
مگر ان کے ساتھ رضاء الہی وابستہ نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ لَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ
الْكُفْرَ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں۔

(۲۲) مجموعہ عالم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق عمل حسن ہے۔ خواہ
اچھی چیزوں کی تخلیق ہو یا بری چیزوں کی۔ جس طرح طبیات اور طحال و پاک چیزیں اسکی

پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور خنزیر جیسی نجس العین مخلوق بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہدایت و ضلالت کا خالق بھی وہی ہے کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

نہیں ہے چیز نکلی کوئی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانہ میں

اس لئے اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری نہیں ہے۔ کہ بندوں کیلئے وہی کام کرے جو اس کیلئے اصح اور بہتر ہو۔ بلکہ وہ اگر بندوں کو ہدایت دے۔ اور بلا امتحان ان کو عطا کرے۔ ان پر مزید احسان کرے۔ انکی حفاظت کرے۔ انہیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔ تو یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر وہ کسی کو گمراہ کر دے تو یہ اس کا عین عدل و انصاف ہے۔ ارشاد باری ہے۔ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَغْضُضْ صَدْرَهُ ضِيقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْغُوذُ فِي السَّمَاءِ (انعام) جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کا سینہ نہایت تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

رہا کفر و فسق وغیرہ پر سزا و مواخذہ تو وہ بندے کے کسب و اختیار پر ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسب و اختیار دے کر ایک اچھے اعمال کرنے اور برے اعمال سے رکنے کا مکلف بنایا ہے۔ اسی لئے وہ اعمال صالحہ کی صورت میں انعام و اکرام سے نوازتا ہے جو اس کا فضل ہے اور اعمال سیئہ کی صورت میں مواخذہ فرماتا ہے جو اس کا عدل ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيُغْفِرُ غَنًى كَثِيرٌ (شوری) اور تمہیں جو مصیبت لاحق ہوتی ہے۔ سو تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔ اور وہ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (اپنے فضل سے)

(۲۳) تمام کائنات اللہ کی مخلوق اور اس کی بھاری ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت واجب حق ہے۔ جس کی بجا آوری واجب العمل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس اطاعت و عبادت پر اجر و ثواب عطا نہ کرے تو یہ اس کا عدل ہے۔ کیونکہ مخلوق عبادت کی وجہ سے اجر و ثواب کی مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کی بوائی واجب ہو۔ لیکن اگر اللہ

تعالیٰ بندوں کی عبادت وغیرہ سے راضی ہو کر انہیں اجر و ثواب اور انعام و اکرام عطا فرمادے تو یہ اس کا فضل ہے۔ کہ بلا استحقاق یہ انعام حاصل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان اعمال صالحہ کی بنیاد پر جنت کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اپنے فضل سے جنت میں داخل کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق اعمال صالحہ کرنے والا مومن ہی ہو گا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اعمال سیئہ کرنے والے کو سزا نہ دے معاف کر دے۔ تو یہ اس کا بڑا فضل ہے۔ کیونکہ وہ معافی کا مستحق نہیں تھا۔ اور اگر وہ اس کو جنایت کی بقدر سزا دے تو یہ اس کا عدل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے۔ کہ نیکوں پر فضل کی بارش کرتا ہے۔ اور ایک نیکی کا اجر کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ اور برائیوں پر یا تو عفو و درگزر کا پردہ ڈالتا ہے۔ یا انتظام عدل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کہ جنایت کی بقدر سزا دیتا ہے۔ اور کائنات کا سارا نظام اسی فضل و عدل کے درمیان جاری ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (انعام) جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے۔ اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو مز پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔ فَالْنَّعْمَةُ فَضْلٌ. وَالْمُصِيبَةُ عَذَابٌ.

(۲۴) لَا رَادَّ لِقَضَائِهِ وَلَا مَعْقَبَ لِحُكْمِهِ وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ

(۲۵) وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ وَالْأَنْدَادِ. (۲۶) آمَنَّا بِذَلِكَ

كُلُّهُ وَآيَقَنَّا أَنَّ كُلَّ بَيْنٍ عِنْدَهُ.

ترجمہ: (۲۴) اسکی قضاء و قدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے حکم کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا اور اس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (۲۵) وہ ذات ہمسروں اور شرکاء سے بالاتر ہے۔ (۲۶) ہم مکمل اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔

توضیح: راذ باب (۲۶) سے اسم فاعل لوٹتا۔ معقب باب تفعل سے اسم

فاعل سمی کر کے والا۔ اَضْدَادِ خُذِ کی جمع ہے۔ مقابل۔ ہمسر۔ اَنْدَادِ بِد کی جمع ہے۔ مثل شریک۔ کَلَّا تَوْنِ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ کُلُّ کَائِنٍ مُّخَوِّثٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی ہر محدث کا وجود و ظہور من جانب اللہ ہے۔

تشریح: (۲۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل اور سب پر غالب ہے۔ اور سب اس کے سامنے عاجز ہیں اس لئے اس کے فیعلہ پر نہ کوئی غالب آسکتا نہ اس کا کوئی تعاقب کر سکتا۔ نہ اس کو کوئی ہل سکتا۔ ارشاد باری ہے۔ وَانْ يُّنْسِفْكَ اللّٰهُ بِضَرْفٍ فَلَا كَاشِفَ لَهُ اِلَّا هُوَ وَانْ يُرْدِكَ بِغَيْرِ فَلَا رَافِعَ لِفَضْلِهِ (یونس) اور اگر پہنچا دے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو اس کے سوا اس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کوئی ہٹائی۔ تو اس کے فضل کو کوئی ہل نہیں سکتا۔ فَاللّٰهُ يَخْشَكُمْ لَا تُخْشَوْنَ لِمُخْجَبِهِ (یوسف) سو اللہ فیعلہ کرتا ہے۔ اس کے فیعلہ کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهِ (یوسف) اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔ (۲۵) اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ اور تمام چیزوں کا مالک ہے۔ یہ صفت کسی اور میں نہیں ہے۔ لہذا اس کا کوئی مقابل۔ شریک اور ہمسر بھی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَخَذَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ (اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اَلَمْ يَخْلُقْ اللّٰهُ مَا كَانَتْ مِنْ شَيْءٍ مِنْ شَرِّ مَا تَكْفُرُوْنَ (خُلْ مِنْ شَرِّ مَا تَكْفُرُوْنَ) (یونس) کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جس سے تم کو بچا سکتا ہے۔ اس کی ذات اور ہے ان سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

اس میں معتزلہ کا رد مقصود ہے۔ جو بندوں کو افعال کا خالق مانتے ہیں جبکہ اس میں دو خدائیں آتی ہیں (۱) شرک لازم آتا ہے (۲) اللہ کا مقابل ہو بلا لازم آتا ہے کہ وہ بندہ جب اپنے فعل کا خالق ہوگا۔ اور اس کو کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا رد وہ اس کے نہ کرنے کا ہو گا تو بندہ کا فعل ارادہ خداوندی کے بغیر وجود میں آئیگا۔ جس سے اللہ کا مقابل

ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ ذات خداوندی۔ شرک و مقابلہ دونوں سے بالاتر ہے۔
(۲۶) کل ایمان پر واجب ہے کہ شریعت میں عقائد سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی
ہیں مثلاً یہ کہ سب امور تقدیر الہی سے وابستہ۔ اور اسکی مشیت کے ماتحت ہیں۔ ان تمام
باتوں پر ایمان لائے۔ اور پختہ اعتقاد رکھے کہ یہ سب منجانب اللہ ہے۔

(۲۷) وَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُهُ الْمُصْطَفَىٰ
وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبَىٰ وَرَسُولُهُ الْمُرْتَضَىٰ (۲۸) وَآلُهُ خَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ
وَأَمَامُ الْأَتْقِيَاءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ وَحَبِيبُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (۲۹)
وَكُلُّ دَعْوَةٍ نُبُوَّةٍ بَعْدَ نُبُوَّتِهِ فَتَقْبَلُ وَهِيَ.

ترجمہ: (۲۷) اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے۔ منتخب نبی۔ اور
پسندیدہ رسول ہیں۔ (۲۸) اور آپ خاتم الانبیاء متقیوں کے پیشوا۔
تمام رسولوں کے سردار۔ اور حبیب رب العالمین ہیں۔ (۲۹) آپ کی نبوت کے بعد
نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور نفس پرستی (جہالت) ہے۔

توضیح: ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ان اللہ واجد الخ پر عطف ہے۔
جو محمول کا مفعول ہے۔ محمد قرآن مجید میں آپ کے دو نام بیان کئے
گئے ہیں (۱) محمد (۲) احمد۔ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ (محمد) وَمُبَشِّرًا
بِرَسُولٍ نَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ (صف) عبدا بندہ۔ انسان میں
عبدیت ہی سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے لئے انسان کو پیدا کیا۔ عبدیت اللہ تعالیٰ کو
بے حد پسند ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عبد سے یاد
فرمایا۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ۔ پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے
گیا اپنے بندہ (محمد) کو۔ (بنی اسرائیل) مصطفیٰ۔ مجتبیٰ۔ مرتضیٰ باب القہال سے اسم
مفعول۔ قریب المعنی ہیں۔ برگزیدہ۔ منتخب۔ پسندیدہ۔ اتقیا۔ متقی کی جمع ہے۔
متقی۔ پرہیزگار۔

تشریح:

(۲۷) بندہ اللہ کی طرف سے عبادت کا مکلف ہے۔ اور عبادت کا پسندیدہ طریقہ احکام الہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کے بارے میں فردا فردا ہر کس و نا کس سے کہے۔ یہ بھی خلاف حکمت تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایسے افراد منتخب فرمائے جن کو معصوم۔ امانت دار بنایا۔ اور ان میں احکام الہی کی تبلیغ کا جذبہ و شوق پیدا فرمایا۔ اور روحانی نور و بصیرت بھی عطا فرمائی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے اور عالم لا صوت سے ان کا تعلق رہے۔ اور علوم الہی سے اکتساب فیض میں رکاوٹ نہ آئے۔ اور ظاہری طور پر انسانوں کی طرح جسم و بدن بھی عطا فرمایا۔ تاکہ بندوں تک احکام الہی کی تبلیغ ہو سکے۔ گویا کہ یہ انبیاء کرام اللہ اور بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔ تاکہ اپنے باطنی احوال کے ذریعہ عالم لا صوت سے استفادہ کر سکیں۔ اور احوال ظاہری کے ذریعہ۔ بندوں کو فیض پہنچا سکیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے نبوت و رسالت کے لئے منتخب ہیں۔ نبوت و رسالت کسی و اختیاری چیز نہیں کہ بندہ محنت و ریاضت کے ذریعہ اسے حاصل کرے بلکہ یہ وحی چیز ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ارشاد باری ہے مَخْمُذٌ رُسُولُ اللَّهِ (فتح) اللَّهُ أَعْلَمُ خَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائیں۔

(۲۸) آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری یہ سلسلہ نبوت آپ کی ذات اقدس پر مکمل کر دیا گیا۔ آپ کی نبوت و شریعت رہتی دنیا تک کے لئے کامل و مکمل کافی و کافی ہے۔ اصلاح امت کے لئے۔ اب کسی نبی یا نئے دین کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ انسانوں کی دینی کمزوری دور کرنے کے لئے علیہ امت اور محمد دین ملت سے کام لیا جائیگا۔ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت (سلسلہ نبوت) تم پر تام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

آپ کے خاتم النبیین ہونے کے دلائل بکثرت ہیں۔ جو حد تو اترا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (۱) مَا كُنَّا مُعْظَمًا أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب) محمدؐ تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (۲) آپ مخلوق میں علم و کمال اور عمل و اخلاق و مرتبہ میں سب سے بول بھی ہیں۔ اور اعلیٰ بھی۔ (۳) آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ اور آپ کی ذات اطہر تمام کمالات نبوت و انسانیت کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے کہ انسانیت کے تمام کمالات نبوت میں مجتمع ہوتے ہیں اور نبوت کے سارے کمالات ختم نبوت میں پنہاں ہیں اس لئے جو خاتم النبیین ہو گا اس میں اولین و آخرین کے سب کمالات جمع ہو گئے چنانچہ آپؐ -

حسن یوسف دم مئی پد بیضا داری آنچہ خواہاں ہمہ دارند تو تہاداری
 کا مصداق اتم ہیں۔ (۴) آپ کے جسم اطہر پر بھی ختم نبوت کی مہر ثبت تھی۔
 (۵) تمام انبیاء کی آپ نے لامت فرمائی۔ اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ پر ایمان لانے اور نصرت کرنے کا وعدہ لیا گیا۔ اور ہر نبی نے اپنی امت کو اس کی تبلیغ فرمائی۔
 ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (آل عمران) پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اسکی مدد کرو گے۔ (۶) إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي (حدیث) چھری امت میں تیس کذاب ہونگے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا جبکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
 وَخَتَمَ بِنِ الرُّسُلِ (بخاری مسلم) مجھ پر سلسلہ رسالت ختم کر دیا گیا۔

لیلۃ الاسراء میں آپ نے تمام انبیاء کی لامت فرمائی۔ اور ہر نبی متقی ہوتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ نبوت کے آثار میں سے ہیں۔ اس لئے جس طرح آپ لام الانبیاء ہیں لام الاتقیاء بھی ہیں۔ دوسرے آپ ہادی امت بن کر مبعوث ہوئے ہیں آپ کے بعد

جو بھی نیک و متقی بنے گا آپ کی پیروی کی وجہ سے بنے گا۔ اسلئے آپ لام الاقواء ہیں۔

حدیث میں ہے۔ اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ (ترمذی) میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔ اس میں آپ کی سرداری بشمول رسل تمام انسانوں پر واضح طور پر ثابت ہے۔ اس حدیث میں آگے چل کر قیامت کے دن کی قید اس لئے ہے۔ کہ اس دن آپ کی سرداری کا مکمل ظہور لوہین و آخرین سب کے سامنے ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو صغی اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجی اللہ یا کلیم اللہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ظلیل اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ یا مسیح اللہ۔ کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو کو ظلیل اللہ بھی کہا گیا (کافی المسلم) اور حبیب اللہ بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ اِتَّخَذَ نَبِيَّ خَلِيْلًا كَمَا اِتَّخَذَ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ (حدیث) بلاشبہ اللہ نے مجھے ظلیل بتلایا جیسے ابراہیم کو ظلیل بتلایا۔ اَلَا وَاَنَا خَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ (ترمذی) خیر دار میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں یہ علت دونوں کے لئے ہے۔ جبکہ محبت غیر کے لئے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں متوکلین، محسنین، صابریں وغیرہ محبوبین کی اقسام اور اللہ نے ان سے اسباب محبت کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تمام کمالات محبوبیت ختم نبوت میں جمع ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور چونکہ یہ مقام محبوبیت امت کے جن افراد کو حاصل ہوا وہ آپ کے اتباع کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لئے آپ سید المحبوبین بھی ہیں۔

نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو جانے کے بعد اگر کوئی دعویٰ نبوت پیش کرے تو وہ گمراہد حال کافر۔ زندقہ۔ مرتد اور واجب العقل ہے۔ اس کی کوئی دلیل ہ معتبر نہیں اس کا دعویٰ حشر ہو گا جو وسیلہ کذاب وغیرہ کا ہو۔ اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے بعد سابقہ نبوتوں کو باقی مانتا ہو۔ تو وہ بھی مفسرطد حوکہ باز اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ آیت قرآنی اور حکم منصوص کا انکار ہے۔ جو کفر ہے۔ ختم نبوت کا مقتضایہ ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہیں۔ مگر وہ حصہ جس کو کتاب و سنت میں باقی رکھا گیا ہے۔

اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْ كَانَ مُوسَى خَيًّا لَنَا وَسَعَةً إِلَّا اتَّبَأَعِنِي (حدیث) اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔

(۳۰) وَهُوَ الْمَبْعُوثُ إِلَى عَامَّةِ الْجَنِّ وَكَأَلَةِ الْوَرَى بِالْحَقِّ وَالْهُدَى وَبِالنُّورِ وَالضِّيَاءِ (۳۱) وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَى مِنْهُ بَدَأَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا. وَأَنْزَلَهُ عَلَى نَبِيِّهِ وَحْيًا وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى ذَلِكَ حَقًّا وَآيَقُنُوا أَنَّهُ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَى بِالْحَقِيقَةِ وَلَيْسَ بِمَخْلُوقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ فَمَنْ سَمِعَهُ فَرَعَمَ أَنَّهُ كَلَامَ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ وَقَدْ ذَمَّهُ اللَّهُ تَعَالَى وَعَابَهُ وَأَوْعَدَهُ عَذَابَهُ حَيْثُ قَالَ سَأُضْلِيهِ سَقَرًا فَلَمَّا أَوْعَدَ اللَّهُ تَعَالَى بِسَقَرٍ لِمَنْ قَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ عَلِمْنَا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ وَلَا يَشْبَهُهُ قَوْلُ الْبَشَرِ.

ترجمہ: (۳۰) اور آپ ﷺ تمام جن و انس اور پوری کائنات کی طرف حق و صداقت۔ رشد و ہدایت اور نور ضیاء کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ (۳۱) اور بلاشبہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کتاب سے بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ کی بات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل فرمایا۔ مؤمنین نے حق سمجھتے ہوئے اس کی تصدیق کی اور وہ اس بات پر یقین لے آئے کہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں ہے۔ پس جس نے اس کو سکر یہ یقین کیا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کی مذمت کی ہے۔ اور اس کو عیب کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَأُضْلِيهِ سَقَرًا۔ میں اس کو عنقریب جہنم میں داخل کروں گا تو جب اللہ نے اس شخص کو عذاب کی دھمکی دی ہے جس نے کہا کہ یہ انسان کا کلام ہے تو ہم نے اس حقیقت کا یقین کر لیا کہ یہ خالق بشر کا کلام ہے۔ اور یہ کلام بشر کے مشابہ نہیں ہے۔

توضیح:

بالحق والہدیٰ۔ یہ دین و شریعت کے اوصاف ہیں۔ شرح
عقیدۃ الطحاویہ مطبوعہ عرب میں وبالنور والضیاء کا اضافہ بھی
ہے۔ پس ضیہ میں نور سے زیادہ کمال روشنی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ
الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا۔ نور کا تعلق قمر سے اور ضیہ کا تعلق سورج سے
ہے اور سورج کی روشنی قمر کی روشنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ وحی۔ پیغام۔ الہام کردہ
چیز۔ انبیاء پر نازل ہونے والا پیغام۔

تشریح:

(۳۰) آپ کی بعثت سے پہلے انبیاء کرام کو خاص خطوں اور علاقوں کے
لئے نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ چونکہ یہ سلسلہ نبوت آپ پر مکمل کر دیا گیا۔
اب آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی دین نہیں آئے گا۔ اسلئے آپ کو آخری اور پوری دنیا کا نبی
بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ کی نبوت کسی خطہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ پوری دنیا کے
جنات اور انسانوں کے لئے ہے۔ ارشاد باری ہے۔ يَا قَوْمُنَا أَجِئُبُوا دَاعِيَ اللَّهِ
وَأَمِنُوا بِهِ (احفاف) (جنات کے بارے میں ہے) اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے
کو مانو اور اس پر یقین لاک۔ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ
فَأَمِنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرَكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (جن) جنوں نے کہا ہم نے ایک عجیب
قرآن سنا جو نیک راہ بھاتا ہے۔ سو ہم اس پر یقین لائے اور ہم اپنے رب کا کسی کو ہرگز
شریک نہیں بتائیں گے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
جَمِيعًا (اعراف) اے محمد کہہ دیجئے کہ میں تم سب (لوگوں) کی طرف رسول بنا کر بھیجا
گیا ہوں۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سہا) نہیں بھیجا ہم
نے تجھ کو مگر سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے واسطے۔ فَضَلَّيْتُ عَلَى الْإِنْبِيَاءِ
بِسَبِّحْتَ وَمِنْهَا إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخَتَمْتُ بَيْنَ النَّبِيِّينَ (سلم
شریف) مجھے انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مجھے
تمام مخلوق کی طرف بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (جس طرح آپ
خاتم النبیین ہیں خاتم الرسل بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا ختم بنی الرسل)

(۳۱) قرآن کریم کلام الہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام بھی ہے پس اللہ تعالیٰ تکلم ہے۔ مگر وہ ہماری طرح منہ اور زبان سے تکلم نہیں کرتا ذات کی طرح اس کی جملہ صفات بھی بے مثال و بے کیف ہیں۔ کم و کیف اجسام کے خواص میں سے ہیں جن سے اللہ کی ذات منزہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے تکلم کی کیفیت کیا ہے۔ ہم اس سے واقف نہیں۔ نہ ہم اسے جان سکتے ہیں وہ اپنی شایان شان تکلم کرتا ہے۔ شیخ فرید الدینؒ نے کہا ہے کہ قول اور الحن نے آواز نہ۔ ارشاد باری ہے۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (نملہ) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا۔

معزلہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ظہور من جانب اللہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کو کلام اللہ برہنہ تشریف کہا گیا ہے۔ جیسے بیت اللہ۔ بسم اللہ۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے بدا کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح معزلہ کہتے ہیں کہ قرآن جبریل کے قلب پر تخلیل کے طور پر وارد ہوا پھر جبریل نے اس کو اپنی زبان سے تعبیر کیا۔ قولنا کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا تکلم ہیچ ہے۔ مجاز نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ تِلْكَ آيَاتُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (بقرہ) یہ آیات ہیں ہم تلاوت کرتے ہیں تم پر انکی حق۔ فَلَاذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (قیامہ) پس جب ہم پڑھنے لگیں (فرشتے کی زبانی) تو ساتھ رہا کیے پڑھنے کے۔

کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر قرآن کریم بر اور است نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایک صریح حقیقت کا انکار ہے۔ مصنفؒ نے دجھا کہہ کر اس کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے وحی کے طور پر نازل ہوا۔ وہ عقل و حواس اور تخیلات سے پیدا نہیں ہوا۔ العیاذ باللہ۔ ارشاد باری ہے۔ وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ (انعام) اور میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی۔ اُنْزِلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ (الفتح) اور اس قرآن کی وحی کی گئی تیری جانب کتاب۔

معزلہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ مصنفؒ نے لیس بمخلوق کہہ کر اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اللہ کا کلام اور اس کی ذات کی طرح اس کی

صفت قدیم ہے اور ازلی ہے۔ جو حادث نہیں۔ اگر قرآن کو مخلوق کہیں تو اس کو حادث کہنا پڑے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کا کلام الہی ہوتا۔ اس کا غیر مخلوق ہونا۔ بذریعہ وحی اس کا حضور پر نازل ہونا۔ قرآن سے ثابت ہے۔ اور نفس الامر کے مطابق ہے۔ یہی عقیدہ مسلک شروع نبوت سے لے کر آج تک تمام اہل ایمان۔ سلف صالحین۔ صحابہ و تابعین کا اللہ تعالیٰ سے سند متصل کے ساتھ نبی مختار کے واسطے سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فقہ اکبر میں فرمایا۔ الْقُرْآنُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى الْأَنْبِيَاءِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ مُنْزَلٌ. وَلَقَدْ نَزَّلْنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقًا وَغَيْرُ مَخْلُوقٍ۔ قرآن مصاحف میں مکتوب ہے۔ قلوب میں محفوظ ہے انسانوں پر پڑھا گیا ہے۔ نبی پر نازل کیا گیا اور ہمارا تلفظ بالقرآن مخلوق اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

شیخ عبدالعزیز مکی نے معقولہ کے سردار بشر مرسی سے مناظرہ کے دوران بڑی عمدہ بات فرمائی تھی۔ کہ تیرے اوپر تین باتوں میں سے ایک لازم ہے۔

(۱) اگر تو کہے کہ اللہ نے اپنا کلام اپنی ذات میں پیدا کیا تو یہ محال ہے کیونکہ وہ حادث ہونے والی چیز کا محل نہیں بن سکتا۔ وَالْمَخْلُوقُ خَادِثٌ۔

(۲) اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام دوسرے کی ذات میں پیدا کیا تو وہ اللہ کا کلام نہیں ہوگا بلکہ اسی دوسرے کا کلام ہوگا۔

(۳) اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام مستقلاً پیدا فرمایا۔ بلا کسی ذات کے اور ذات سے علیحدہ قائم بنفسہ ہے تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ جس طرح ارادہ بلا مرید اور علم بلا عالم نہیں ہوتا ایسے ہی کلام بھی بلا متکلم نہیں ہوتا۔ اور متکلم کے بغیر قائم بنفسہ کلام سمجھا بھی نہیں جاسکتا بلکہ متکلم جب تکلم کرے گا تب سمجھا جائیگا۔

ان تینوں طریقوں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی صفت ہے۔ وَالصِّفَاتُ لَيْسَتْ بِمَخْلُوقَةٍ۔

قرآن کریم کلام الہی ہے کیونکہ قرآن کا فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہونا اس کا متعدد مقامات پر اپنا مثل لانے کا چیلنج کرتا۔ اور دنیا کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کا اس کا مثل بلکہ ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز رہتا۔ اور کلام الہی کا انکار کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام بشر نہیں کلام الہی ہے۔ خود باری تعالیٰ نے اس کو اپنا کلام فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَإِنْ أَخَذَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتِجَارَكَ فَأَجَرَهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلَغَهُ مَأْمَنَهُ (توبہ) اور اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ لے تو اس کو پناہ دیدے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دے۔ اس بھلے اگر کوئی شخص قرآن کریم کو بشر کا کلام کہتا ہے تو وہ کافر ہے۔

(۳۲) وَمَنْ وَصَفَ اللَّهَ تَعَالَى بِمَعْنَى مِنَ مَعَانِي الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ
فَمَنْ أَبْصَرَ هَذَا فَقَدْ اِعْتَبَرَ. وَعَنْ مَثَلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ اِنْزَجَر وَعَلِمَ
نَ اللَّهُ تَعَالَى بِصِفَاتِهِ لَيْسَ كَالْبَشَرِ. (۳۳) وَالرُّؤْيَا حَقٌّ لِأَهْلِ
الْجَنَّةِ بِغَيْرِ احْطَاةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ رَبِّنَا. وَجُودَةُ
يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ.

ترجمہ: (۳۲) اور جس نے اللہ تعالیٰ کو انسان کی کسی صفات کے ساتھ متصف کیا۔ تو وہ کافر ہے۔ پس جس نے اس کو بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا اس نے عبرت حاصل کی اور کفار کی طرح کہنے (ان کے اقوال و نظریات) سے رک گیا۔ اور وہ اس حقیقت کو جان گیا۔ کہ اللہ کی صفات انسان کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتی ہیں۔ (۳۳) اہل جنت کا اپنے پروردگار کو دیکھنا برحق ہے لیکن یہ رویت بغیر کسی احاطہ اور کیفیت کے ہوگی۔ جیسا کہ اس پر ہمارے رب کی کتاب (قرآن) ناطق ہے۔ وَجُودَةُ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ۔ بہت سے چہرے اس روز تروتازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھتے ہوئے۔

توضیح: انزجرباب انفعال رک جاتا۔ وجوہ جمع و جہر۔ ناضرة باب ن سے اسم فاعل۔ ترو تازہ۔ خوبصورت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لیس کہ مثله شئی۔ اس کے کوئی شی مثاہ نہیں (نہ ذات میں نہ صفات میں) اس لئے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی صفت انسانی کے ساتھ متصف کرے یا اس کی کسی صفت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

فمن ابصر: کافر کہتے ہیں ان هذا الاقول البشر۔ یہ قرآن انسان کا کلام ہے۔ یہود کہتے تھے۔ لا تؤمن بها حتیٰ ننسنع کلام اللہ باذیننا۔ ہم اس کو نہیں مانیں گے جب تک کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے نہ سن لیں، اور جب سن لیا تو کہنے لگے۔ لا تؤمن لک حتیٰ نری اللہ جہرۃ۔ ہم تجھ کو نہیں مانتے جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ اور اس طرح کی باتیں یہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی صفات کو اپنی صفات کی طرح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ان کانوں سے ہم مخلوق کے کلام کو سن سکتے ہیں۔ اور ان آنکھوں سے تمام چیزوں کو دیکھتے ہیں تو اللہ کے کلام کو کیوں نہیں سن سکتے اور اس کی ذات کو کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام قیاس آرائیوں کو فاسد قرار دیا ہے۔ اور ان کی کھلی تردید کی ہے۔ حتیٰ کہ اس طرح کہنے والے کو عذاب کی دھمکی دی ہے۔ توجو آدمی کافروں جیسی بات کہنے اور ان کے نظریات و خیالات سے رک گیا۔ اور بصیرت کی نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھا تو وہ محفوظ رہا۔

(۳۳) اس دنیا میں دیدار الہی شرعاً و عقلاً دونوں طرح ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات موجود ہے اور جو چیز موجود ہوتی ہے۔ اس سے رویت متعلق ہوتی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ موسیٰ نے سوال کیا تھا۔ ربّ ارنی انظر الیک لے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں دیکھوں تجھ کو۔ اگر دیکھنا ممکن نہ ہوتا تو موسیٰ کی طرف سے ایک محال شی کا مطالبہ لازم آئے گا یا جہل لازم آئے گا کہ موسیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ

اللہ کی ذات کے بارے میں کیا مطالبہ جائز ہے کیانا جائز۔

لیکن اس امکان کے باوجود اس دنیا میں اللہ کی زیارت اور اس کی ذات کا مشاہدہ کسی کو بھی نہیں ہوگا کیونکہ انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رویت کو برداشت کر سکے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نپے موسیٰ سے فرمایا لَنْ تَرَانِيْ تَوْجِئْهُ ہر گز نہ دیکھ سکے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی تو موسیٰ تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

البتہ آخرت میں مومنین کو حق تعالیٰ کا دیدار اور اس کی زیارت ہوتا صحیح اور قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ خود قرآن کریم کی آیت متن میں موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرماتے اور صحابہ کرام کا مجمع تھا آپ ﷺ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح عیان دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ وجہ اس کی یہی ہے۔ کہ آخرت میں انسان اور اس کی نظر میں قوت پیدا کر دی جائے گی جس کی وجہ سے رویت و زیارت ہو سکے گی۔ اور انسان اور اس کی نظر رویت باری کا تحمل کر لے گی۔ مگر انسان کی نگاہ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکے گی کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسان کی نظر محدود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی در حقیقت عالم آخرت ہی کی زیارت ہے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے۔ آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے۔ وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جاسکتا۔

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت اور زیارت سے مشرف نہ ہونگے۔ ارشاد باری ہے۔ كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِنِذٍ لَّمْ يَخْجُبُوْهُنَّ۔ یعنی کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محروم ہونگے۔

اس میں معتزلہ کا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ رویت کیلئے یہ شرط ہے کہ مرئی کسی مکان اور کسی جہت میں ہو۔ اور رائی کے مقابل اس طور پر ہو کہ نہ بالکل قریب ہو نہ

بہت دور اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سب شرطیں مفقود ہیں اس لئے رویت محال ہے۔ لیکن یہ بات دو وجہ سے تسلیم نہیں۔ (۱) ہم رات دن بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو نہایت قریب ہوتی ہیں اور بہت سی ایسی چیزوں کا دیدار کرتے ہیں جو نہایت دور ہیں۔ جیسے بالکل قریب رکھی ہوئی چیز آسمان سورج چاند ستارے وغیرہ۔ (۲) رویت کے یہ اسباب عادیہ ہیں۔ یعنی ان اسباب کے بعد اللہ تعالیٰ رویت کو پیدا فرمادیتا ہے۔ لیکن رویت ان اسباب پر موقوف نہیں وہ ان اسباب کے بغیر بھی رویت پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ جس طرح سامنے سے دیکھ لیا کرتے تھے پیچھے کی جانب سے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۳۴) وَتَفْسِيرُهُ عَلَى مَا أَرَادَ اللَّهُ تَعَالَى وَعِلْمُهُ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِي ذَلِكَ مِنَ الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَعْنَاهُ عَلَى مَا أَرَادَ وَلَا تَدْخُلُ فِي ذَلِكَ مُتَاَوِّلِينَ بَارِئِينَ وَلَا مُتَوَهِّمِينَ بِأَهْوَانِنَا فَإِنَّهُ مَا مَلِمَ فِي دِينِهِ إِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَّ عِلْمَ اشْتِبَاهِهِ إِلَى عَالِمِهِ.

ترجمہ: اور اس (آیت مذکورہ) کی تفسیر وہی قابل قبول ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی فہم اور علم کے مطابق ہوگی۔ اور ہر وہ حدیث صحیح معتبر ہوگی جو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ پس وہ ایسے ہی ہے جیسے آپؐ نے فرمایا۔ اور اس کے وہی معنی ہیں جو آپؐ کی مراد ہے۔ اور ہم اس کی تفسیر میں اپنی رائے کی تاویل اور ذاتی خواہش کے توہم کو فوقیت نہیں دیں گے۔ (اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اپنے دین میں محفوظ نہیں مگر وہ ہی شخص جو اپنے آپ کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے پیرو کر دے اور جس مسئلہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے اس کی وضاحت کے لئے کسی عالم کی طرف رجوع کرے۔

توضیح: باب تفعیل۔ وضاحت کرتا۔ پردہ ہٹاتا۔ متاویلین باب تفعیل سے اسم فاعل کلام کی تفسیر کرنے والا۔ تفسیر و تاویل میں فرق یہ ہے کہ تفسیر کے معنی ہیں مراد خداوندی کو واضح کرنا۔ اور اس کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ لفظ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجاز متعارف اس سے خروجنہ ہو۔ دوم اس معنی کو شاید ان وحی (حضرات صحابہ) کے قول سے موید کرنا سوم نصوص شرعیہ ظاہرہ کے اس معنی کا خلاف نہ ہونا اگر یہ تینوں چیزیں ہوں تو تفسیر تفسیر ہے۔ ورنہ ایک فوت ہو جائے تو تاویل قریب ہے۔ دوفوت ہو جائیں تو تاویل بعید ہے۔ اور تینوں فوت ہو جائیں تو تحریف ہے۔ تفسیر عزیزی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ملفوظات فقیہ الامت اول صفحہ نمبر ۷۳۔ متوہمین باب تفعیل سے اسم فاعل خیال و گمان کرنے والا۔ اھوی ہوی کی جمع ہے خواہش۔

تشریح: متن میر، ذکر کی گئی ایک آیت کے بارے میں کتاب و سنت نے جو تصریح کر دی ہے اور اس کی روشنی میں سلف صالحین نے جو اس کی مراد کو سمجھا ہے اسی کی اطاعت واجب ہے۔ اسی پر سلف و خلف کا اجماع ہے۔ آیت کے مفہوم و مراد اور مصداق کو متعین کرنے کے بارے میں جو احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ وہ حق ہیں اس میں ہم اپنی طرف سے غلو کرنے والوں کی تحریفات۔ جاہلوں کی تاویلات فاسدہ باطل پرستوں کی حیلہ سازیوں کی طرح کوئی من مانی تاویل اور دخل اندازی نہیں کریں گے۔ جس طرح معتزلہ نے من مانی تاویل فاسد کر کے کلام الہی اور کلام رسول میں تحریف کی ہے۔

الامن سلم: یعنی دین کی سلامتی اور حفاظت کا واحد طریقہ یہی ہے کہ حکم ربی اور فرمان رسالت کے سامنے بغیر کسی چوں چوں سر تسلیم خم کر دے۔ اور نامعلوم چیزوں کے بارے میں اصحاب علم کی طرف رجوع کرے جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے بندوں سے مخفی رکھا ہے جیسے مشابہات وغیرہ جس میں رویت باری کا مسئلہ بھی ہے۔ ان کی تحقیق کے پیچھے نہ پڑے قرآن وحدیث میں جتنا بیان کر دیا گیا اسی پر اکتفا کرے۔ ان میں

تاویلات فاسدہ کر کے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو۔ اور اپنا دین خراب نہ کرے۔ روایت کے بارے میں اتنا ثابت ہے کہ روایت باری ہوگی۔ بس دین و ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو حق جانے باقی روایت کی کیفیت کیا ہوگی اس کی کوئی تفصیل قرآن و سنت میں بیان نہیں کی گئی۔ اسلئے اس میں توقف کرے۔ اور اس کو اللہ کے حوالہ کر دے۔ ارشاد باری ہے۔ اَلَا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (شعرہ) یعنی وہ شخص اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کر لیتا ہے جس کو اللہ نے قلب سلیم عطا کیا ہو۔ فَاسْتَلْزُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (نحل) اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہیں۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (امرہ) اس چیز کے پیچھے نہ پڑئے جس کا تجھے علم نہ ہو۔

(۳۵) وَلَا يَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلَى ظَهْرِ التَّسْلِيمِ
وَالْإِسْتِسْلَامِ فَمَنْ رَأَى عِلْمَ مَا حُجِزَ عَنْهُ عِلْمُهُ وَلَمْ يَقْنَعْ
بِالتَّسْلِيمِ فَهُمُ حُجَبَةُ مَرَامِهِ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ وَصَافِيِ
الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيحِ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: اور اسلام ثابت قدم نہیں رہ سکتا مگر تسلیم و انقیاد کی پشت پر۔ پس جس نے ان چیزوں کو جاننا چاہا۔ جن سے اس کی جانکاری کو منع کر دیا اور اس کی فہم نے اطاعت پر قناعت نہیں کی تو اس کا یہ مقصد اس کو خالص توحید۔ معرفت دین اور صحیح ایمان سے محروم کر دے گا۔

توضیح: تسلیم مصدر باب تفعیل۔ سپرد کرنا۔ استسلاام باب استفعال تابعہ ہونا۔ رام باب ن امرہ کرنا۔ حُجِزَ ماضی مجہول باب ن، ض منع کرنا۔ مرام مقصد۔ عِلْمُهُ حُجِزَ کا نائب فاعل فہمہ لم یقنع کا فاعل۔ مرامہ حجب کا فاعل ہے۔

تشریح: دین الہی کے اصولوں کو کتاب و سنت کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور کتاب اللہ کی تفسیر وہی معتبر ہوگی۔ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہ نے بیان فرمائی۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا جس کو صحابہ نے نبی کی زبان سے سنا اور سمجھا۔ طبعی فہم اور محض رائے سے اس کی تفسیر قابل اعتبار نہ ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی بنیاد عقل و فہم پر نہیں بلکہ نقل من اللہ پر ہے اسی وجہ سے انبیاء و رسل کا سلسلہ شروع کیا گیا آسمانی کتابیں نازل کی گئیں بذریعہ وحی ان کی تفسیر کی گئی۔ امت کی اصلاح کے لئے وارثین انبیاء علیہم السلام و مجددین ملت کا انتظام کیا گیا۔

مصنفؒ نے اسی بات کو حسی طور پر سمجھایا ہے کہ جس طرح پاؤں کے قرار کے لئے کسی شئی کی پشت کا ہونا ضروری ہے، اسلام کی بقا کیلئے بھی ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ اور احادیث رسولؐ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ کتاب و سنت سے جو ثابت ہو بلا اعتراض اس کو تسلیم کرے۔ اپنی رائے اور قیاس کے ذریعہ اس سے معارضہ نہ کرے۔

امام بخاریؒ نے امام زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کام رسولؐ بھیجا۔ رسولؐ کا کام تبلیغ کرنا اور ہمارا کام ماننا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران) دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے۔ اور اسلام نام ہے ماننے۔ تسلیم کرنے۔ اور تفویض یعنی تمام امور میں احکام خداوندی کی پابندی کا ارشاد باری ہے۔ اِذْ قَالْ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْنَا قَالَ اَسْلَمْتُمْ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ) اس وقت کو یاد کر جب کہا اس کو اس کے رب نے حکم برداری کر تو۔ بولا کہ میں حکم بردار ہوں رب العالمین کا۔ قُلْ اِنْ صَلَاتِیْ وَنَسْکِیْ وَمَحِیَّایْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اَمَرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنے والا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی سا جھی نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں پہلا حکم بردار ہوں۔

اس لئے قرآن کریم میں تفسیر بالرائے خسران کا باعث ہے۔ اوکسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں ہے۔ وَفِیْ رِوَاۡیَۃٍ بِغَیْرِہٖ عَلَّمَ فَلِیْتَئَبُوْا مَقْعَدُہٗ مِنْ النَّارِ۔ جس شخص نے بلا علم اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ کتاب و سنت اور سلف کے طریقہ سے ہٹ کر قرآن کی تفسیر کرنا اور دین کو

کچھ ماضیات و گمراہی اور گناہ ہے۔ چاہے اتفاقاً طور پر۔ وہ صحیح سمجھ گیا ہو۔ جو جس نے کتاب و سنت کو سامنے رکھا اور انہیں کی روشنی میں صحیح حل تلاش کرنے کی کوشش کی تو اگر خطا پر بھی ہے تو بھی مایوس رہے۔ اور اگر صحیح حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تو دو گئے ثواب کا مستحق ہے۔ (نور الانوار)

(۳۶) قَيْطَلْبَذْبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ وَالْتَصْدِيقِ وَالْتَكْذِيبِ
وَالْإِقْرَارِ وَالْإِنْكَارِ مَوْسُوسًا تَأْيِهَا شَاكًا زَائِفًا لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا
وَلَا جَاهِدًا مُكْذِبًا.

ترجمہ: بلکہ وہ مذہب بڑبڑ رہتا ہے کفر و ایمان، تصدیق و تکذیب، اور اقرار و انکار کے درمیان اس کی حالت ہمیشہ وسوسوں میں جلا غصص اور فکلی المراج انسان کی سی ہو جاتی ہے۔ نہ وہ تصدیق کرنے والا مومن رہتا ہے۔ نہ تکذیب کرنے والا منکر۔
توضیح: موسوس۔ اسم فاعل۔ وسوسہ پیدا کرنے والا۔ قائمہ اسم فاعل۔
باب من ثناء يَتَّبِعُهُ قَتْلُهَا۔ حیران ہوتا۔

تشریح: امور دینیہ میں نکتہ چینی۔ قیل و قال۔ تاویلات فاسدہ۔ رائے زنی کی عادت توحید و معرفت اور اصل ایمان سے محروم کر کے۔ فلوک و شہادت کے گرداب میں پھانس دیتی ہے۔ اور ایسے موڑ پر لاکڑا کرتی ہے کہ اس کو ایمان و کفر اقرار و انکار اور تصدیق و تکذیب میں تردد ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے نہ وہ مومن مصدق (اصلی مومن) ہی کہلاتا ہے کیونکہ شہادت نے اس کو مغلوب کر دیا ہے۔ اور نہ جاحد و مکذب (کھلا کافر) ہی کہلاتا ہے۔ کیونکہ اقرار و قرار ہے اس لئے واضح شرعی دلائل سے اعراض کر کے فلسفیانہ حقیقت و تدقیق کے درپے ہونا ضال و اضلال ہے۔

(۳۷) وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ قَارِ السَّلَامِ لِمَنْ
اعْتَرَاهَا مِنْهُمْ بَوْهَمٌ لَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ إِذْ كَانَ تَأْوِيلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيلُ
كُلِّ مَعْنَى يُضَافُ إِلَى الرُّؤْيِيَّةِ لَا يَصِحُّ فَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ
بِالرُّؤْيَةِ إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ وَلِزُومِ التَّسْلِيمِ وَعَلَيْهِ دِينُ الْمُرْسَلِينَ.

ترجمہ: اہل جنت کے نزدیک رویت پر اس شخص کا ایمان صحیح نہ ہوگا جس نے رویت کا وہم سے اعتبار کیا یا فہم و عقل سے اس کی تاویل کی۔ اس لئے کہ رویت کی تاویل (اپنی رائے سے) اور ہر اس صفت کی تاویل جو ربوبیت کی طرف منسوب ہے (یعنی اس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے) صحیح نہیں۔ پس اس کا رویت پر (یہ) وہم و تاویل کا ایمان بغیر تاویل چھوڑے۔ اور بغیر تسلیم و اطاعت کے صحیح نہیں۔ اسی پر رسولوں کے دین کی بنیاد ہے۔

تشریح: ارشاد باری ہے۔ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ۔ (آل عمران) اس میں (قرآن میں) بعض آیتیں محکم ہیں۔ (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں۔ دوسری آیتیں متشابہات ہیں۔ (جن کے معنی معلوم نہیں یا متعین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ گمراہی پھیلانے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

رویت باری کا مسئلہ بھی چونکہ متشابہات میں سے ہے۔ اس لئے یہاں مصنف "معتزلہ" اور مشبہ وغیرہ کی تردید کرتے ہیں۔ کہ معتزلہ رویت کی بالکلیہ نفی کرتے ہیں۔ اور مشبہ کہتے ہیں کہ رویت باری فلاں فلاں کیفیت پر ہوگی۔ جبکہ اہل سنت والجماعت رویت باری کو ثابت مانتے ہیں کیونکہ وہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ اور اس کی کیفیت کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے کیونکہ نصوص میں اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے اس طرح ان فرق باطلہ نے تاویل فاسدہ کے ذریعہ متشابہات کی پیروی کر کے طریقہ مغلالت اختیار کیا۔ اور اہل سنت والجماعت نے انبیاء کے دین کو نہایت مضبوطی سے تھاما۔ اور متشابہات میں توقف سے کام لیا۔ دراصل یہ ملاحیت اس وقت پیدا ہوئی ہے جب آدمی معلمین سے تربیت حاصل کرے

مصلحین سے تزکیہ کرائے۔ کاملین کی صحبت میں رہ کر اللہ کی رنگ میں رنگے۔ متقین سے فیض حاصل کرے۔ اسکے بعد تسلیم و انقیاد اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔

(۳۸) وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيهَ زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيهَ
(۳۹) فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مُوصُوفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ مَنْعُوتٍ
بِنَعُوتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِيهِ مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ (۴۰) تَعَالَى
عَنِ الْحُدُودِ وَالْغَايَاتِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَذْوَابِ وَلَا
تَبْخُوهُ الْجِهَاتُ السُّتُّ كَسَالِيزِ الْمُتَبَدِّعَاتِ

ترجمہ: (۳۸) اور جو نفی اور تشبیہ سے پرہیز نہ کر سکا تو وہ (راہ حق سے) پھسل گیا اور تنزیہ تک رسائی نہ کر سکا۔ (۳۹) بے شک ہمارا رب جل و علا صفت وحدانیت کے ساتھ متصف اور صفات فردانیت کے ساتھ منعوت (متصف) ہے۔ مخلوق میں کوئی اس کا ہم وصف نہیں ہے۔ (۴۰) وہ حدود و قیود اور جسمانی ارکان و اعضاء اور آلات و اسباب سے بالاتر ہے۔ اور تمام مخلوقات کی طرح جہات ستہ اس کو گھیرے ہوئے نہیں ہیں۔

توضیح: التَّنْزِيْهِ - باب تفعل - اللہ تعالیٰ کو صفات بشریہ سے دور رکھنا۔ حدود حد کی جمع ہے۔ جہات ستہ (دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر نیچے) غایات غایہ کی جمع ہے۔ انتہا۔ ارکان رکن کی جمع ہے۔ وہ چیز جس سے قوت حاصل کی جائے عناصر اربعہ (آگ، ہوا، پانی، مٹی) اعضاء عضو کی جمع ہے۔ بدن کا حصہ۔

تشریح: (۳۸) اس میں فرقہ مطلقہ اور مشبہ کی تردید ہے کیونکہ اول نے صفات باری کا انکار کیا اور دوسرے نے اللہ کو مخلوق کی صفات میں مشابہ قرار دیا۔ اس طرح افرط و تغریط میں پھنس کر دونوں فرقے راہ حق سے پھسل گئے اور تیزی تک رسائی نہ کر سکے۔ فرقہ موحد یعنی اہل سنت والجماعت نے افرط و تغریط سے ہٹ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ یعنی صفات باری تعالیٰ کو برحق مانا اور مخلوق کی صفات سے

منزه قرار دیا۔ اس طرح راہ حق پر قائم رہ کر تزیہ تک رسائی کر گیا۔ فَا لَمُعْطَلُ
يُعْبُدُ عَدَمًا۔ وَالْمُشَبَّهُ يُعْبَدُ صَنْمًا وَالْمُوَحَّدُ يُعْبَدُ صَنْدًا۔

(۳۹) (۱) وحدانیت کا اطلاق ذات کی یکتائی۔ اور فردانیت کا اطلاق صفات کی

یکتائی بتانے کے لئے ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے وحدانیت سے اللہ اخذ۔ فردانیت سے
اللہ الصنمہ لم یلد ولم یولد۔ اور لیس فی معنہ سے لم یکن لہ
کفواً اخذ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہذا بصفات الوحدانیۃ کا مطلب ہے کہ
اس کا کوئی مثل نہیں۔ اور بنعوت الفردانیۃ کا مطلب ہے کہ اس کی کوئی نظیر
نہیں جو اس کے مساوی ہو۔ (۲) وحدانیت و فردانیت سے غلطہ کی تردید مقصود ہے۔

جو صفات باری کے منکر ہیں۔ اور لیس فی معنہ سے شبہ کی تردید مقصود ہے جو
اللہ کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ تردید اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ کا
دین اعتدال پر قائم ہے۔ یعنی اثبات و نفی اور افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ نہ محض
اثبات نہ مطلق نفی۔ مثلاً مسئلہ توحید میں ذات باری کا مسئلہ اس میں نہ ذات باری کا انکار
ہے نہ ذات کا اثبات بلکہ اللہ کی یکتائی کا اثبات اور متعدد خدا کی نفی ہے۔ اسی طرح
صفات کا مسئلہ اس میں بھی اثبات و نفی ہے۔ اثبات تو یہ ہے کہ وہ صفات ازلا وابد اللہ
تعالیٰ میں ثابت و موجود ہیں او نفی یہ ہے کہ اس کی صفات کو مخلوق سے کسی طرح کی
مشابہت نہیں ہے۔ اس لئے کہ تعدد تکثر۔ تشابہ۔ مخلوق کی شان ہے۔ اور توحید،
احدیۃ، خالق کی شان ہے چنانچہ مخلوق کا مثل بھی ہے مثال بھی ہے ہمسر بھی ہے۔
شریک بھی ہے۔ خالق کا نہ مثل ہے نہ مثال ہے۔ نہ ہمسر ہے نہ شریک ہے۔ لہذا یہ
ممکن نہیں کہ خالق مخلوق کے مثل ہو۔ یا مخلوق میں تو صفات ہوں اور اللہ تعالیٰ صفات
سے خالی ہو (نعوذ باللہ) قرآن کریم نے اللہ کی ذات و صفات میں اثبات و نفی کا انداز
اختیار کیا ہے۔ ارشاد ہے هُوَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ
السَّلَامُ الْخ. (حشر) یہ اثبات صفات کے بارے میں ہے۔ نفی کے بارے میں ہے۔
لَیْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (شوریٰ)

(۴۰) حدود و جہتیں۔ اور نہایتیں۔ یہ محدود اور اجسام کی خصوصیات ہیں۔ چنانچہ اللہ کے سوا تمام مخلوقات اپنی ذات و صفات اور افعال وغیرہ ہر اعتبار سے محدود ہے۔ ارشاد باری ہے کُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمَقْدَارٍ (رعد) اسکے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا (نہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ازلا وابد غیر محدود ہے۔ نہ اس کی ابتدا کی حد ہے۔ نہ انتہا کی نہ اس کی وسعت کی حد ہے۔ نہ احاطہ کرنے کی۔ وہ تمام موجودات کو اپنے فعل سے محیط ہے۔ اور تمام معدومات کو علم و قدرت سے۔ کہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ ہر چیز کا ممتحن۔ مرجع۔ اور ٹھکانہ ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَإِنِّ إِلَی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (نجم) تیرے رب کی طرف ممتحن ہے۔ وَإِنِّ إِلَی رَبِّكَ الرَّجْعٰی (علق) تیرے رب کی جانب لوٹا ہے۔ وَالِی اللّٰهُ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (آل عمران) اللہ تمام امور کا مرجع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حدود و غایات سے بالاتر ہے۔ جہات سے اس کو محیط نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ خود ان کا خالق اور ان کو محیط ہے۔ ارشاد باری ہے۔ (۱) هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ ظاہر سے اشارہ ہے کہ اللہ ہر چیز سے اوپر ہے۔ باطن سے اشارہ ہے کہ اس سے نیچے کوئی چیز نہیں اگر عرش سے کوئی چیز گرے تو اسی پر گرے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ فَهُوَ الْغَوْثُ الْمَطْلُوقُ وَالذُّوْنُ الْمَطْلُوقُ (۲) هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ یعنی وہ تمام کائنات سے آگے اور پیچھے ہے۔ (۳) أَيْنَمَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ جہر بھی پھر وہ اہر ہی اللہ کی ذات ہے۔ (۴) وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تسری فرماتے ہیں۔ ذَاتُ اللّٰهِ مَوْصُوفَةٌ بِالْعِلْمِ غَيْرُ مُذَرَكَةٍ بِالْإِحَاطَةِ وَلَا مَزَيَّةٍ بِالْإِبْصَارِ فِي دَارِ الدُّنْيَا وَهِيَ مَوْجُودَةٌ بِحَقَائِقِ الْإِيمَانِ مِنْ غَيْرِ حَذٍّ وَلَا إِحَاطَةٍ وَلَا حُلُولٍ۔ وَتَرَاهُ الْعَيْنُونَ فِي الْعُقْبَى ظَاهِرًا فِي مُلْكِهِ وَقُدْرَتِهِ وَقَدْ حُجِبَ الْخَلْقُ عَنْ مَعْرِفَةِ كُنْهِ ذَاتِهِ وَذَلَّهِمْ عَلَيْهِ بَيِّنَاتُهُ فَالْقُلُوبُ

تَعْرِفُهُ وَالْعَيُّونُ لَا تَذَرُكُهُ فَيَنْظُرُ إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُ بِالْأَبْصَارِ مِنْ غَيْرِ
إِخَاطَةٍ وَلَا إِذْرَاكَ نَهَائِيَّةٍ.

اللہ تعالیٰ ارکان و اعضاء اور آلات و اسباب سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ
(۱) اعضاء ماہیت کے اجزاء ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ”احد“ ہے۔ تجزی نہیں۔ (۱) اجزاء کو
قبول نہیں کرتا (۲) اعضاء میں ترکیب، تفریق و تبعیض ہے۔ ہر ایک عضو دوسرے سے ممتاز
ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ”احد“ ہونے کی وجہ سے تبعیض و تفریق و ترکیب سے بری
ہے۔ (۲) اعضاء کام میں اسباب و آلات کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات شان
مہمیت سے متصف ہے اور کسب و انساب سے بالکل بے نیاز ہے۔ اس کے سب کام
کُنْ فَيَكُونُ سے وجود میں آتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ کیلئے ید۔ وجہ۔ قدم۔ اصابع۔ انامل۔ عین۔ ساق۔
خاصرہ، کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر جس طرح اسکی ذات و صفات انسان جیسی نہیں یہ
چیزیں بھی انسانوں کی طرح نہیں۔ بلکہ انکی کیفیت و حقیقت اسی کی شلیان شان ہے۔
لام مالکؑ فرماتے ہیں۔ ان اسلم (ید۔ وجہ وغیرہ) کے معانی تو ہمیں معلوم ہیں
البتہ ان کی کیفیت نہیں جانتے۔ اسی طرح ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کی کیفیت
معلوم کرنا بدعت ہے۔ اس لئے ان کی صحیح کیفیت کو جانا نہیں جاسکتا۔ نہ اپنے علم کے
ذریعہ ان کا احاطہ کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اسباب و آلات سے اس لئے بھی بالاتر ہے کہ اس نے کچھ
چیزوں کو اسباب کے درجہ میں پیدا فرمایا۔ جو دوسری چیزوں کو وقوع کا سبب ہوتی ہیں
اور جس کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اور ضرر سے بچا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نفع
و ضرر سے منزہ ہے۔ بلکہ وہ نفع و ضرر کا خالق و مالک ہے۔ اور یہ سب چیزیں اس کے
ارادہ اور مشیت کے تحت ہیں۔ اور اس کی محتاج ہیں۔ کون ہستی ہے جو اللہ کے نفع
و ضرر پر قادر ہو اور اس کی وجہ سے اسے اسباب اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑے۔ اللہ کی
ذات تو سب پر حاوی ہے۔ اور سب چیزوں سے بے نیاز ہے ارشاد باری ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ

لَغْنِي عَنْ الْعُلَمَيْنِ - بلاشبہ اللہ عالمین سے بے نیاز ہے۔ البتہ اسباب و آلات کو اس نے پیدا کیا۔ اور ان کو اپنے افعال کیلئے اپنی حکمت کے تحت استعمال کرتا ہے۔
 یہاں فرقہ مجسمہ - مشبہ - اور مطلقہ کا رد مقصود ہے۔ مجسمہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم اور اعضاء ہیں۔ مشبہ خدا کو انسانی اعضاء میں تشبیہ دیتے ہیں۔ مطلقہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے۔ اپنی مخلوقات میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور جہات ستہ میں گمراہ ہوا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور بالاتر ہے۔

(۴۱) وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ لِّذٰلِكَ اَمْرِيْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُرُجٌ بِشَخْصِهِ فِي الْيَقْظَةِ اِلَى السَّمَاءِ. ثُمَّ اِلَى حَيْثُ مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الْعُلَىٰ. وَاَكْرَمَهُ اللّٰهُ مُبَحَّانَهُ تَعَالٰى بِمَا شَاءَ وَاَوْحٰى اِلَى عَبْدِهِ مَا اَوْحٰى.

ترجمہ: (۴۱) اور معراج برحق ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کو رات میں (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ) تک سیر کرائی اور حالت بیداری میں آپ کے جسم اطہر کو آسمان پر لیٹایا گیا (معراج کرائی) پھر بلندیوں پر اس جگہ تک جہاں تک اللہ نے چاہا لیٹایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مشاہدہ کے مطابق آپ کو عزت بخشی اور اپنے بندہ (محمد) کی طرف وحی کی۔

تشریح: معراج کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ قرآن و سنت میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے یہاں دو لفظ ہیں۔ (۱) اسراء (۲) معراج۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک جو آپ کو براق پر لیٹایا گیا اور آپ نے وہاں انبیاء کرام کی نامت فرمائی۔ اس کو اسراء کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن کریم سے نص قطعی کے طور پر ہے۔ جس کا منکر کافر ہے۔

مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک پھر آسمانوں سے جنت اور عرش تک کی سیر کو معراج

کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت مشہور احادیث سے ہے۔ اس کا منکر فاسق و مبتدع ہے۔ معراج چونکہ آپ کا معجزہ ہے اس لئے آپ کو یہ معراج بحالت بیداری جسمانی طور پر کرائی گئی کیونکہ خواب یا روحانی طور پر معراج کا ہونا غیر نبی کے لئے بھی ممکن ہے۔ ارشاد باری ہے سُبْحَنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِغَبْدِهِ لَیْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (نبی اسرائیل) پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ بغبدہ سے معراج جسمانی کی جانب اشارہ ہے۔ ورنہ تو یوں کہا جاتا۔ اَسْرٰی بِرُوحِهٖ۔ اَوْ ذَهَبَ بِرُوحِهٖ۔ فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ ذَنَّا فَتَذَلٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی قَاوْحٰی اِلِیْ غَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی (انجم) پھر سیدھا بیٹھ۔ اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا۔ یہ آیت بھی معراج جسمانی کی واضح دلیل ہے۔

(۴۲) وَالْحَوْضُ الَّذِیْ اٰكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ غِیَاثًا لَا مِثْلَہٗ حَقُّ۔

(۴۳) وَالشَّفَاعَةُ الَّتِیْ اِذْخَرَهَا لَهُمْ حَقُّ كَمَا رَوٰی فِی الْاَخْبَارِ۔

(۴۴) وَالْمِیْثَاقُ الَّذِیْ اَخَذَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ اٰدَمَ وَذُرِّیَّتِہٖ حَقُّ۔

ترجمہ: (۴۲) اور حوض کوثر برحق ہے جس کی وجہ سے اللہ نے آپ کو اعزاز بخشا آپ کی امت کی سیرابی کا ذریعہ بنا کر۔ (۴۳) اور شفاعت بھی برحق ہے آپ نے لوگوں کیلئے اسکو ذخیرہ بنا کر رکھا ہے۔ (۴۴) اور میثاق بھی برحق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آدم اور اولاد آدم سے لیا۔ کما فی الاحادیث۔

تشریح: (۴۲) حشر کے دن اللہ کی طرف سے ہر نبی کو ایک حوض عطا ہوگا جس سے وہ اپنی امت کو سیراب کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی ایک حوض عطا کیا جائے گا۔ جس کو قرآن مجید میں کوثر کہا گیا ہے۔ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے حوض کوثر اسی کی شاخ ہے۔ یہ حوض آپ کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ جو

اس قدر طویل و عریض ہو گا کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچنے میں ایک مہینہ کی مسافت درکار ہے۔ اس کاپانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مٹک سے بھی زیادہ اچھی ہوگی۔ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح حسین و جمکدار۔ اور بے شمار ہونگے۔ (عمدة المغیث ص ۶۴)

حوض کوثر کے بارے میں روایات حد تو اتار کو پہنچی ہوئی ہیں۔ تمیں سے زائد صحابہ اس کے راوی ہیں۔

(۴۳) حشر کے دن شفاعت کی مختلف نوعیتیں ہوگی۔ بعض تو آپ ہی کے ساتھ خاص ہوگی بعض شفاعتوں کا حق دوسروں (انبیاء۔ ملائکہ۔ علماء۔ شہداء۔ صلحاء۔ حفاظ وغیرہ مؤمنوں) کو بھی ملے گا جس تفصیل یہ ہے۔

(۱) حشر کی شدت سے بچانے۔ اور حساب و کتاب شروع کرانے کیلئے آپ ﷺ تمام مخلوق کے حق میں سفارش فرمائیں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ کہلاتی ہے۔

(۲) ایک طبقہ کو بلا حساب و کتاب۔ (۳) جن لوگوں کی گناہ اور نیکیاں برابر ہوگی۔ (۴) اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہونگے۔ جنت میں داخل کرانے کی آپ سفارش فرمائیں گے۔ (۵) کچھ لوگوں کے درجات اور اعزاز و اکرام میں اضافہ کی بھی آپ سفارش فرمائیں گے اس سفارش کا معتزلہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ (۶) جہنم میں چلے گئے مسلمانوں کو نکال کر جنت میں داخل کئے جانے کی سفارش فرمائیں گے۔ یہ شفاعت مشترک ہوگی۔ انبیاء ملائکہ علماء مؤمنین بھی اپنے اپنے طور پر لوگوں کی سفارش کریں گے۔ معتزلہ و خوارج اس کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے بارے میں حدیث ہے۔ شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكُتُبِ مِنْ أُمَّتِيْ۔ میری سفارش امت کے اہل کبار کے لئے بھی ہوگی۔ (۷) دائمی جہنمی کے عذاب میں تخفیف کے لئے جیسے ابوطالب۔ (۸) صرف اہل مدینہ کے لئے۔ (۹) صرف روضہ اقدس کی زیارت کرنے والے کیلئے۔ (۱۰) اہل جنت کو جنت میں داخلہ کی اجازت کے لئے۔

شفاعت کی اجازت عام نہیں ہوگی بلکہ شفاعت کی اجازت خاص خاص لوگوں

کو دیجائیگی ارشاد باری ہے۔ مَنْ ذِي الَّذِي يَنْشَغُرُ عَنْهُ إِلَّا بِأَذْنِهِ (بقرہ) کون ہے جو سفارش کرے گا اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر۔

(۴۴) قرآن وحدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام روحوں کو چھوئے اجسام کی شکل میں پیدا فرمایا۔ اور انکو عقل وشعور بخشا اور ان سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ اس طرح اللہ نے فطری طور پر ہر فرد بشر کی طبیعت میں اپنی ربوبیت کی تخم ریزی فرمائی۔ اور اس کی یاد دہانی کے لئے عقل سلیم۔ وحی والہام اور آسمانی مذاہب کو اسکی بنیاد بنایا۔ ہر مذہب کی ساری عمارت اسی اعتقاد و اقرار پر کھڑی ہوئی ہے۔ اسی فطری تخم ریزی کا اثر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہر مکتب فکر کے انسان کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر اتفاق واجماع ہے۔ ورنہ فکر واستدلال کے ذریعہ ایسا اتفاق پیدا کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ مصنف نے میثاق کے ذریعہ ارشاد باری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ (اعراف) اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے بنی آدم سے ان کی پشت سے انکی اولاد کو پیدا کر کے عہد لیا۔ اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں۔ بولے ہاں۔

(۴۵) وَقَدْ عَلِمَ اللَّهُ فِيمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدٌ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَيَدْخُلُ النَّارَ جُمْلَةً وَأَحَدَةً وَلَا يَزْدَادُ فِي ذَلِكَ الْعَدَدِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ.
(۴۶) وَكَذَلِكَ أَفْعَالُهُمْ فِيمَا عَلِمَ مِنْهُمْ أَنْ يَفْعَلُوهُ وَكُلٌّ مَيَسَّرَ لِمَا خُلِقَ لَهُ وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ وَالسَّعِيدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللَّهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللَّهِ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو ایک دم ازل سے ان لوگوں کی تعداد معلوم ہے جو جنت میں جائیں گے اور ان لوگوں کی تعداد جو جہنم میں جائیں گے پس اس تعداد میں نہ کوئی اضافہ ہو گا نہ کمی ایسے ہی لوگوں کے وہ اعمال اللہ کے علم میں ہیں جو

انہیں مستقبل میں انجام دیتے ہیں۔ اور ہر آدمی کو وہی کام میسر آتا ہے جسکے واسطے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اعمال خاتمہ کے اعتبار سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور نیک بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلہ سے نیک بخت بنا اور بد بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلہ کے مطابق بد بخت بنا۔

تشریح: (۴۵) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے۔ اس کو ازل سے معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی۔ ان کی تعداد کا علم بھی اس کو ازل ہی سے ہے۔ اس عدد میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ **فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي الشَّعِيرِ** (کہف) ایک فریق جنت اور ایک جہنم میں ہوگا۔ **وَأَخْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عِزْدًا** (جن) اور گن لی اس نے ہر چیز کی گنتی۔ جس میں جنتیوں اور جہنمیوں کی تعداد بھی شامل ہے۔

(۴۶) اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے تمام بندوں کے اعمال کی بھی خبر ہے کہ کون کیا عمل کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم تقدیر پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ **اعْمَلُوا فَکُلُّ مُیَسَّرٍ لِّمَآ خُلِقَ لَهُ**۔ عمل کرو پس تم میں سے ہر ایک کو وہی کام میسر آئے گا اور اسی کی توفیق ملے گی جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ اہل سعادت میں سے ہے تو ایسے اعمال کی توفیق ملے گی۔ اور اسی حالت پر خاتمہ ہوگا۔ اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اہل شقاوت میں سے ہے تو ایسے ہی اعمال اس سے سرزد ہوتے رہیں گے۔ اور اسی حالت پر انتقال ہوگا۔ یہاں تک کہ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے **فَإِمَّا مَنۢ أَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهُۥ لِلْیُسْرِیِّ وَأِمَّا مَنۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهُۥ لِلْعُسْرِیِّ** (یل) سو جس نے دیا اور ڈر تار ہا اور سچ جانا بھلی بات کو تو ہم اس کو سچ سچ پہنچا دیں گے آسانی میں۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو ہم اس کو سچ سچ پہنچا دیں گے سختی میں۔ **إِنَّ الدِّیْنَ کَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ کُفَّارٌ ۗ اِلٰی قَوْلِهٖ فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ**۔ (آل عمران) یعنی جو لوگ کافر تھے

اور کفر پر انہیں موت آئی تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت میں ”وَهُمْ کَفَّارٌ“ کا لفظ بتا رہا ہے کہ آدمی کی آخری حالت کا اعتبار ہے۔ حدیث میں ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔ یعنی اگر تمام عمر کافر رہا اور خاتمہ ایمان پر ہوا۔ تو وہ مؤمن شمار ہوگا۔ اور اس کا حشر مومنوں ہی میں ہوگا۔ اور اگر پوری زندگی مسلمان رہا اور خدا نخواستہ مرتد ہو گیا تو وہ کافر شمار ہوگا۔ اور کافروں ہی میں اس کا حشر ہوگا۔ یہ سب پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ سعادت و شقاوت سب اللہ کے فیصلہ ازلی کے مطابق ہے۔ جس کے لئے سعادت کا فیصلہ ہے تو وہ اس پر اس کا فضل ہے۔ اور جس کے لئے شقاوت کا فیصلہ ہے یہ اس پر اس کا عدل ہے۔

مگر چونکہ بندہ سے تقدیر کو او جھل کر دیا گیا ہے۔ اور بندہ اس کو جاننے کا نہ مکلف ہے۔ نہ جاننے کی طاقت رکھتا ہے اس لئے اس کو اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ ہو گا وہی جو فیصلہ قدرت ہو چکا ہے۔

(۴۷) وَأَصْلُ الْقَدْرِ سِرُّ اللَّهِ فِي خَلْقِهِ لَمْ يَطْلُعْ عَلَى ذَلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ. وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِي ذَلِكَ ذَرِيعَةُ الْخُذْلَانِ، وَسَلَمُ الْجَرْمَانِ وَدَرَجَةُ الطُّغْيَانِ، فَالْحَذَرُ كُلُّ الْحَذَرِ مِنْ ذَلِكَ نَظَرًا وَفِكْرًا وَوَسْوَةً فَإِنَّ اللَّهَ طَوَى عِلْمَ الْقَدْرِ عَنْ أَنَامِهِ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ. فَمَنْ سَأَلَ لِمَ فَعَلَ فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ

ترجمہ: (۴۷) اور تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ایک راز ہے۔ اس کی مخلوق میں اس سے مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ اس میں غور و فکر سوالی کا ذریعہ۔ محرومی کا زینہ۔ اور سرکشی کا راستہ ہے۔ پس تقدیر کے مسئلہ میں غور و فکر اور وسوسہ سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم اپنی

مخلوق سے سمیٹ لیا ہے۔ اور ان کو اس کی طلب سے روک دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے ان کے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ پس جس نے یہ پوچھا کہ اللہ نے یہ کام کیوں کیا۔ تو اس نے قرآن کریم کے حکم (لَا يَسْئَلُ الْخَلْقُ) کو مسترد کر دیا۔ اور جس نے کتاب اللہ کے حکم کو مسترد کر دیا وہ مرہ کفار میں شامل ہو گیا۔

توضیح: ذریعۃ۔ وسیلہ۔ سلم۔ زینہ۔ خذلان۔ حرمان۔ طغیان تینوں متقارب المعنی ہیں۔ البتہ خذلان۔ نصرت۔ حرمان۔ ظفر۔ اور

طغیان۔ استقامت کا مقابل ہے۔ فالحذر ففیصی۔ الحذر احذر محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ کل الحذر تاکید کے لئے ہے۔ نظرا وفکرا ووسوسۃ تمیز ہے۔ ابہام نسبت کو دور کرنے کے لئے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اذا کان الامر کذلک فاحذر حذرا کل الحذر۔

تشریح: (۴۷) تقدیر کا مسئلہ قطعی ہوا ایم اور دین کے مضبوط عقائد میں سے ہے، نفس تقدیر اگرچہ عقل و فہم سے باہر نہیں۔ لیکن اصل تقدیر کا

اور اک عقل و فہم سے نہیں ہو سکتا یہ اسرار خداوندی ہے جسکے علم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو بھی دور رکھا ہے۔ اس کی حکمت و مصلحت بھی وہی جانتا ہے۔

اس کی جستجو میں بلاوجہ فکر کے عقلی گھوڑے دوڑانا حاصل اور گمراہی کا باعث ہے۔ ہر چیز کا تعلق قضا و قدر سے۔ کافر کا کفر۔ مؤمن کا ایمان وغیرہ ہر چیز اسی کی مشیت اور قضا

و قدر سے ہوتی ہے۔ لیکن وہ کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے اس کی مشیت کفر حکمت

نگوینی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور عدم رضا امر دینی کی وجہ سے۔ بہر حال تقدیر کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے وہ ہدایت پر ہے

اور جو اس کی تحقیق میں پڑے اور سوالات کا سلسلہ رکھے تو وہ گمراہی اور کفر کی حد میں داخل ہے۔ کیونکہ عبدیت اور عبودیت اور ایمان کی بنیاد تسلیم و اطاعت پر ہے اور اس کی خلاف ورزی کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور مقرب فرشتے بھی گھٹنے تیک دیتے

ہیں۔ اور تسلیم و اطاعت اختیار کرتے ہیں اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضور علیہ السلام کو عالم غیب مانتے ہیں۔

(۴۷) فَهَذِهِ جُمْلَةٌ مَّا يَجْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهُ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ لِأَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُودٌ وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُودٌ. فَإِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُودِ كُفْرٌ وَإِدْعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُودِ كُفْرٌ وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ إِلَّا بِقَبُولِ الْعِلْمِ الْمَوْجُودِ وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُودِ.

ترجمہ: (۴۷) پس (منزل من اللہ) یہ تمام باتیں وہ ہیں جن کو اولیاء اللہ میں سے ہر وہ شخص تسلیم کرتا ہے۔ جس کا دل منور ہے اور یہ مقام راخنین فی العلم کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ علم دو ہیں (۱) وہ علم جو مخلوق میں موجود ہے۔ (۲) وہ علم جو مخلوق میں مفقود ہے۔ پس موجود علم کا انکار اور مفقود علم کا دعویٰ دونوں کفر ہیں اور ایمان صحیح نہیں ہوتا مگر موجود علم کو قبول کرنے۔ اور مفقود علم کی طلب ترک کرنے سے۔

توضیح: علم موجود۔ وہ علم ہے شریعت کا جو کتاب و سنت میں موجود ہے۔ علم مفقود۔ وہ علم ہے تقدیر الہی کا جسے اللہ نے کائنات سے پوشیدہ رکھا ہے

تشریح: (۴۷) کتاب و سنت میں شرعی احکامات۔ عبرتیں۔ مثال و واقعات وغیرہ علم موجود کہلاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ اس آیت میں اسی علم کی جانب اشارہ ہے۔ اس کے سوا باقی علم مفقود ہے مثلاً روح کی حقیقت کا علم۔ قیامت کے وقوع کا علم۔ غیب کی باتوں کا علم وغیرہ، ارشاد باری ہے وَمَا أَوْتَيْنَاكَ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا لِقَلِيلٍ۔ یعنی تم کو تو ہوا سا علم دیا گیا ہے۔ یَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کب ہوگا قیام اس کا۔ فَبِمِ

أَنْتَ مِنْ ذِكْرِنَا جَعَلَهُ كَمَا ذَكَرَ إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهَا
(تلاعات) تیرے رب کی طرف سے پہنچ اس کی۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا
يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (انعام) غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اس کے سوا انہیں کوئی نہیں
جانتا۔ وَيَنْزِلُ الْغَيْثُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَآذَا
تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَىْ أَرْضٍ تَمُوتُ. إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
خَبِيرٌ (لقمان) اور اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں۔ اور
کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں
مرے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ مصنفؒ نے ہذہ کہہ کر
اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ماقبل میں ذکر کی گئی یہ سب باتیں وہ ہیں جن کا ہر مومن
محتاج ہیں۔ جن کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا اور اولیاء اللہ اور راسخین فی العلم سب
ان باتوں کے محتاج ہیں اور ان کو مانتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو نہیں جانتے ان کو
اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی جستجو و تلاش مگر ای اور انکا دعویٰ کفر ہے۔

(۴۸) وَنُؤْمِنُ بِاللُّوحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيعِ مَا قَدَرْنَا فَلَوْ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ
كُلُّهُمْ عَلَى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ أَنَّهُ كَانَتْ لِيَجْعَلُوهُ غَيْرَ كَانِ
لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَلَوْ اجْتَمَعُوا كُلُّهُمْ عَلَى مَا لَمْ يَكْتِبَهُ اللَّهُ لِيَجْعَلُوهُ
كَانِنَا لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَانِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: (۳۸) اور ہم لوح و قلم اور ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو قلم نے
تقدیر میں لکھ دی ہیں پس اگر تمام مخلوق مل کر کسی چیز کو جس کے
بارے میں اللہ نے لکھ دیا کہ وہ ہوگی۔ نہ ہونے دیں تو وہ اس کی قدرت نہیں
رکھتی (ناکام رہے گی) اور اگر تمام مخلوق مل کر کسی چیز کو جس کے بارے میں اللہ نے
نہیں لکھا کہ وہ ہوگی اس کو ہونے والی بنا دے تو وہ اس کی بھی قدرت نہیں رکھتی۔
قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم بند کر دیا گیا۔

تشریح:

(۴۸) اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرما کر قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھوا دیا۔ لوح و قلم میں اللہ نے پہلے کس کو پیدا فرمایا۔ اس میں دونوں قول ہیں۔ اور دونوں قولوں کی تائید روایت سے ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے عرش یعنی لوح محفوظ کو مخلوق اول ثابت کیا۔

احادیث میں چار طرح کے قلم کا ثبوت ملتا ہے۔ (۱) وہ قلم جس نے تمام مخلوقات کو لکھا۔ یعنی سب کچھ لکھا۔ (۲) وہ قلم جس نے بنی آدم کے اعمال ان کی روزی عمر اور ان کی سعادت و شقاوت کو لکھا۔ (۳) جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے تو فرشتہ بحکم خداوندی اس کا رزق عمر عمل اور اس کی سعادت و شقاوت کو لکھ دیتا ہے۔ (۴) جب بندہ بالغ ہو جاتا ہے تو کراماتیں اس کے اعمال لکھتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: وَالْقَلَمُ وَمَا يَسْطُرُونَ۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ یٰلَیْلُ قُرْآنٌ مَّجِیدٌ فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (بروج) کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہوا لوح محفوظ میں۔ یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثَبِّثُ وَعِنْدَهُ اُمُّ الْکِتَابِ (رعد) اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِی السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ۔ (نمل) اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان میں اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں۔ فَمَنْ یَّغْمُلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعِیْهِ وَاِنَّا لَهٗ کَا تِبْرُوْنَ (انبیاء) سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان و اکارت نہ کریں گے ہم اس کی سچی کو اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ (کر امانکاتین سے لکھوا لیتے ہیں)

بہر حال لوح محفوظ اور قلم پر ہمارا ایمان ہے۔ اور قلم نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ اور اس پر بھی کہ تمام مخلوق اللہ کے لکھے کو بدلنا چاہے تو نہیں بدل سکتی۔

(۴۹) وَمَا أَخْطَأَ الْعَبْدُ لَمْ يَكُنْ لِيَصِيئَةٍ وَمَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَةً. (۵۰) وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى سَبَقَ عِلْمُهُ فِي كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهِ فَقَدَّرَ ذَلِكَ بِمَشِيئَتِهِ تَقْدِيرًا مُحْكَمًا مُبْرَمًا لَيْسَ لَهُ نَاقِضٌ وَلَا مُعَقِّبٌ وَلَا مُزِيلٌ وَلَا مُغَيِّرٌ وَلَا مُحَوِّلٌ وَلَا زَالِدٌ وَلَا نَاقِضٌ مِنْ خَلْقِهِ فِي سَمَوَاتِهِ وَآرَاضِهِ

ترجمہ: (۴۹) اور جو بندے نے خطا کی اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ درست کام کرتا اور جس نے درست کام کیا اس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ خطا کرتا۔ (۵۰) اور بندگان خدا کے لئے لازم ہے کہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے متعلق اللہ کی مشیت کے مطابق مستحکم اور نہ بدلنے والا فیصلہ کیا ہوتا ہے اللہ کی زمین و آسمان میں مخلوق میں سے اس فیصلہ کو نہ کوئی توڑ سکتا نہ کوئی ملوثی کر سکتا نہ کوئی زائل کر سکتا نہ کوئی بدل سکتا نہ کوئی ختم کر سکتا نہ اس میں کوئی اضافہ کر سکتا نہ کمی کر سکتا۔

تشریح: (۴۹) بندہ کی خطا اور درستی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتی ہے اگر اس کے مقدر میں عمل خطا ہے تو ایسے ہی اسباب ظاہر ہونگے جس سے وہ خطا کا مرتکب ہو۔ اور اگر تقدیر میں عمل صالح مقدر ہے۔ تو عمل صالح کے اسباب پیدا ہونگے اس کے برخلاف نہیں ہوگا۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے۔ وہ تخلیق سے پہلے اور تخریق کے بعد کے تمام احوال سے باخبر ہے۔ جو کائنات میں اب تک ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔ یہ سب اس کے علم ازلی میں ہے۔ اور اس کے پاس ام الکتاب (علم قدیم) میں لکھی ہوئی ہیں۔ ارشاد ہدی ہے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَيْرِ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔ (انعام) اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور نری میں ہے اور جو پتہ گر جاتا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ اور جو دنہ زمین کی تہ کیوں میں ہوتا ہے اور رطب ویا بس چیزیں

سب لوح محفوظ (اللہ کے علم قدیم) میں محفوظ ہیں۔

اس میں ان مشرکین، صابئین اور فلاسفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا ان کے واقع ہونے سے پہلے حالانکہ یہ تقدیر ازیلی۔ اس کے علم محیط کے متافی ہے جو کفر ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تقدیر مبرم۔ (۲) تقدیر مطلق۔

(۱) تقدیر مبرم: اللہ تعالیٰ کا مستحکم نہ بدلنے والا فیصلہ، جس کو مخلوق میں کوئی مال نہیں سکتا نہ اس میں کوئی ترمیم و تبدیلی کر سکتا۔ ارشاد باری ہے۔ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ (فاطر) جو کچھ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جو کچھ روک رکھے تو اس کو کوئی اس کے سواء بھیجے والا نہیں۔ وَإِنْ يُمْسِكْ اللَّهُ بَضْرًا فَلَا كَاشِفَ لَهُ وَإِنْ يُرِثْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاذَ لِفَضْلِهِ (يونس) اگر پہنچا دے تجھ کو اللہ کوئی تکلیف تو اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اور اگر چاہے وہ تیرے ساتھ کوئی بھلائی۔ تو اس کے فضل کو کوئی مال نہیں سکتا۔ وَاللَّهُ يَخْتَصِمُ لَا مُعْقَبَ لِحُكْمِهِ (رعد) اور اللہ فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلہ کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا۔ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ۔ (انعام) اللہ کے کلمات (انعام) کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ سب آیتیں تقدیر مبرم کی دلیلیں ہیں۔

(۲) تقدیر مطلق: اللہ تعالیٰ کا کسی حکم کو کسی عمل پر مطلق کر دینا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کسی شخص کے حلق لکھ دیا کہ اگر اس نے حج کیا تو اس کی عمر بیس سال ہوگی اور اگر حج نہیں کیا تو اس کی عمر پندرہ سال ہوگی۔ تقدیر کی یہ قسم وہ ہے جس میں شرط کے مطابق کسی زیادتی تغیر و تبدیلی ہوتی ہے۔ تقدیر کی اسی قسم کے متعلق ارشاد باری ہے يُمْسِكُوا اللَّهَ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتْ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ

”اللہ تعالیٰ مانتا ہے جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اصل کتاب یعنی

”علم قدیم ہے“ (مرقاۃ ص ۶۶)

حدیث رسول سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ لَا یَزِدُّ الْقُدْرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمْرِ إِلَّا الْبَرُّ (مشکوٰۃ باب البر والصلة)
 خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر الہی کو نہ کوئی بدل سکتا نہ اس میں اس کے سوا کوئی کی زیادتی کر سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَنْشَأُ وَاللَّهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (فاطر) اضافہ کرتا ہے مخلوق میں جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
 اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَبِیُّ الْاَرْضِ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (رعد) ”یا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم زمین کو چلے آتے ہیں گھٹاتے اس کے کناروں سے“

(۵۱) وَلَا یَكُوْنُ مُكُوْنٌ اِلَّا بِتَكْوِیْنِهِ وَالتَّكْوِیْنُ لَا یَكُوْنُ اِلَّا حَسَنًا. (۵۲) وَذٰلِكَ مِنْ عَقْدِ الْاِیْمَانِ وَاَصُوْلُ الْمَعْرِفَةِ وَالْاِغْتِرَافِ بِتَوْحِیْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَرَبُوْبِیَّتِهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰی وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِیْرًا. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قُدْرًا مَّقْدُوْرًا.

ترجمہ: (۵۱) اور کوئی سکون (مخلوق) نہیں ہوتی مگر اس کی تکوین (تحقیق) سے۔ اور تکوین نہیں ہوتی مگر حسن۔ (۵۲) اور ان تمام حقائق کو تسلیم کرنا ایمان کی پہلی۔ معرفت کی بنیاد اور توحید باری اور اس کی ربوبیت کا اعتراف ہے۔ جیسکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِیْرًا (فرقان) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک انداز ٹھہرایا سو کان اَمْرُ اللّٰهِ قُدْرًا مَّقْدُوْرًا (احزاب) اور خدا کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔

تشریح: (۵۱) اللہ تعالیٰ جیسے اپنی ذات میں یکا ہے ایسے ہی اپنی صفات میں بھی یکا ہے۔ اور مخلوق جیسے اپنی ذات کے اعتبار سے اس کی تخلیق کی محتاج ہے ایسے اپنی صفات میں بھی۔ اس کی تخلیق کی محتاج ہے، پس مخلوق میں تمام صفات اس کی صفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ بندہ مروعوم اس کی رحمت سے۔ مقدس اس کی تقدیس سے عالم اس کی تعلیم سے مگر وہ اس کی تسلیل سے ہدایت یافتہ اس کی مفت

ہدایت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر صفت کا حال ہے۔

(۵۲) شرح عقیدۃ الطحاویہ کے حاشیہ میں۔ عقد کے بجائے عقائد کا لفظ ہے اور دونوں درست ہیں کیونکہ عقد کے معنی چٹنگی کے ہیں۔ اور عقائد کے ذریعہ ایمان میں چٹنگی ہوتی ہے ارشاد باری ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتَقَنَ کُلَّ شَیْءٍ اِنَّهُ خَبِیْرٌ بِنَا تَفْعَلُوْنَ (نمل) یہ کاری گری اللہ کی جس نے ہر چیز کو درست کیا ہے شک وہ تمہارے افعال سے باخبر ہے۔

مصنفؒ کی مرتب عبارت سے اس جانب اشارہ ہے کہ ایمان میں قوت معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور معرفت کی اساس توحید باری کا اقرار ہے۔ اور توحید کی تکمیل دو چیز سے ہوتی ہے۔ (۱) توحید فی الخلق۔ (۲) توحید فی الامر۔

(۱) توحید فی الخلق: یعنی مخلوق کی ذات و صفات کا خالق۔ ملکین۔ رب۔ نافع۔ ضار۔ قیوم وغیرہ صرف اللہ کو جانے۔ (۲) توحید فی الامر: شارع اور حاکم صرف اللہ کو مانے۔ تمام امور میں اسی کی حکومت کو تسلیم کرے۔

توحید کی یہ دونوں قسمیں تقدیر کے اقرار اور ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے سے مکمل ہوتی ہیں۔ یعنی اس بات کا اقرار کرے کہ تقدیر بنانے والا صرف اللہ ہے اور اس نے ہر چیز کو مقدر کر دیا۔ مخلوق میں مخلیق یا کسی حکم کا نازل کرنا اسی تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ متن میں ذکر کردہ دونوں آیتوں میں توحید کی ان دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۵۳) فَوَيْلٌ لِّمَنِ صَارَ لِلّٰهِ فِي الْقَدْرِ حَصِيْمًا وَاَخْضَرَ لِلنَّظْرِ فِيْهِ قَلْبًا سَقِيْمًا لَقَدْ اِنْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِيْ فَخْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَيْفِيًّا وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ اِنْكَارًا اَلَيْسَا (۵۴) وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ كَمَا بَيَّنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی فِيْ كِتَابِهِ وَهُوَ مُسْتَفْنٰی عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهُ مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَیْءٍ وَكُوْلُهُ وَلَقَدْ عَجَزَ عَنِ الْاِحَاطَةِ خَلْقُهُ.

ترجمہ: (۵۳) پس ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو تقدیر کے مسائل میں

جھگڑا لو بنا اور بیمار دل کے ساتھ اس میں غور و فکر کی یقیناً اس نے اپنے وہم و گمان کے مطابق غیب کی جستجو میں چھپے ہوئے راز ہائے خداوندی کی (بے فائدہ لا حاصل) تلاش کی۔ اور تقدیر کے مسائل کو بیان کرنے میں کذاب اور افتراء پر داذ بن گیا۔ (۵۴) اور عرض کریں برحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور وہ عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ ہر چیز کو محیط ہے۔ ہر چیز پر غلبہ و فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

تشریح: روحانی طور پر اگر دل ایمان اور نور ہدایت سے ملبی ہے تو وہ قلب سلیم اور زندہ دل کہلاتا ہے۔ اور وہ باطل اور بری چیزوں سے نفرت کرتا ہے۔ ان کی طرف التفات نہیں کرتا۔ اور اگر کفر و شرک کی گرداب میں پھنس جاتا ہے تو اس کو مردہ قلب کہتے ہیں اور اگر وہ بری چیزوں سے نفرت نہیں کرتا بلکہ انہیں قبول کرتا ہے تو وہ دل بیمار کہلاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس میں ایسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اچھے برے اور معروف و منکر میں فرق نہیں کر پاتا اور یہ کمزوری جس قدر بڑھتی جاتی ہے اس کا معیار تفریق اتنا ہی گر جاتا ہے۔

قلب کا مرض دو طرح کا ہوتا ہے (۱) مرض علمی یعنی مرض شبہات۔ (۲) مرض عملی یعنی مرض شہوات۔ ان دونوں میں زیادہ مضر مرض شبہات ہے۔ اور اس میں بھی تقدیر کے مسئلہ میں شبہ کرنا زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ تقدیر کے مسئلہ میں سکوت تسلیم و انقیاد۔ سلامت قلب اور زندہ دلی ہے۔ اور اس میں اتنا بے غفلت و غفلت کو خیال آرائی لا حاصل جستجو مردہ دلی اور مریض ہونے کی علامت ہے۔ ارشاد باری ہے۔
 اَوْ مِنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ
 كَمَنْ مِثْلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا۔ (انعام) بھلا ایک شخص جو
 کہ مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے
 اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اس کے جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں
 وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

(۵۴) ارشاد باری ہے وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ (بروج) وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا، عرش کا مالک بڑی شان والا۔ معلوم ہوا کہ عرش برحق ہے مگر فلاسفہ اسکا انکار کرتے ہیں۔ وسیع کُرْسِيُّہُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ (بقرہ) اس کی کرسی آسمان و زمین کو وسیع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کرسی بھی برحق ہے۔ کرسی عرش کے لئے زینہ کی طرح ہے۔ جس کے ذریعہ بلند عرش پر چڑھا جاتا ہے۔ (بدایہ والنہایہ)

چونکہ اللہ تعالیٰ عرش و کرسی کا خالق ہے۔ اور خالق مخلوق سے مستغنی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ عرش و کرسی سے بے نیاز ہے۔ البتہ اس نے عرش و کرسی اس لئے پیدا کی تاکہ اس کی شان ملکوت کا اظہار ہو۔ کیونکہ شاهی لوازمات میں شاهی تخت اور شاهی کرسی ہوتی ہے۔ اسی لئے آیت باری تَعَالٰی اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ میں اللہ کے عرش پر قیام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اور ایک غرض و غایت یعنی ملک پر پورا تسلط و اقتدار کی صلاحیت کا حاصل کرنا حق تعالیٰ کے استوی علی العرش میں یہ حقیقت یعنی پورا تسلط و اقتدار بدرجہ کمال موجود ہے، کہ نظام کائنات پر مکمل شاہانہ و مالکانہ تصرف کا حق بے روک ٹوک اس کو حاصل ہے۔ لیکن اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ کی ظاہری کیفیت کیا ہے۔ تو اس میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا عرش پر قیام اس کی شایان شان ہے۔ مخلوق کی طرح نہیں۔

عرش کی مثال قبہ جیسی ہے جیسے کائنات پر کوئی قبہ ہو وہ اپنے ماتحت کو محیط ہو اللہ تعالیٰ عرش اور عرش کے ماتحت و مافوق کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احاطہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فلک کی طرح ہے۔ اور اس میں مخلوقات داخل ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و وسعت علم قدرت و حفاظت تصرف و تدبیر کے اعتبار سے تمام عالم اس کی مٹھی میں ہے۔ البتہ مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ ارشاد باری ہے، وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا۔ (طہ) لوگ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

(۵۵) وَنَقُولُ إِنَّ اللَّهَ اخْتَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا. وَكَلَّمَ مُوسَى تَكْلِيمًا إِيْمَانًا وَتَصْدِيقًا وَتَسْلِيمًا. (۵۶) وَتُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّنَ وَالْكِتَابِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَتَشْهَدُ أَنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ. (۵۷) وَنُسَمِّي أَهْلَ قَلْبِنَا مُسْلِمِينَ مُؤْمِنِينَ مَا دَامُوا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مُعْتَرِفِينَ وَلَهُ بِكُلِّ مَا قَالَهُ وَآخِرُ مُصَدِّقِينَ.

ترجمہ: (۵۵) اور ہم پورے ایمان۔ تصدیق قلبی۔ اور تسلیم و رضامند کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ اور موسیٰؑ سے بات کی۔ (۵۶) اور ہم ملائکہ۔ انبیاء۔ اور رسولوں پر نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ واضح حق پر تھے۔ (۵۷) اور ہم قبلہ کو اس وقت تک مسلمان مؤمن سمجھتے ہیں جب تک وہ اس شریعت کے معترف رہیں جو رسول اکرمؐ لے کر آئے اور آپؐ کے تمام اقوال و احادیث کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں۔

تشریح: (۵۵) معزلہ، جھمیہ اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ محبت، محب اور محبوب کے درمیان مناسبت پر ہوتی ہے اور قدیم و حادث کے درمیان کوئی مناسبت نہیں اس لئے ابراہیمؑ خلیل اللہ۔ موسیٰؑ کلیم اللہ۔ حضور حبیب اللہ نہیں ہو سکتے۔ اس خیال فاسد کا مخترع اول جعد بن درہم ہے۔ خالد بن عبد اللہ القسیری نے جو عراق کے امیر تھے اس کو اسی جرم میں عید الاضحیٰ کے دن قتل کیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ نے ابراہیمؑ کے خلیل اللہ اور موسیٰؑ کے کلیم اللہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اخْتَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا۔ (نہ) وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا۔ (نہ)

(۵۶) ایمان کے سات اجزاء ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۳) تمام رسولوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۵) فرشتوں پر

ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا۔ (۷) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے (جنت جہنم) پر ایمان لانا۔ ارشاد باری ہے۔ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَأَتْكُمْ وَكُتِبَ وَرُسُلُهُ لَا تَفْرِقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ۔ (بقرہ) مان لیا رسول نے جو کچھ اتر اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مان لیا۔ اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو ہم اس کے رسولوں میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَأَتْكُمْ وَكُتِبَ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ (نہ) جو انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا یوم آخرت کا تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُوْنَ اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَيَقُوْلُوْنَ نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًاۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا۔ (نہ) بے شک جو لوگ اللہ۔ اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے اور اس کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں سو یہ لوگ بکے کافر ہیں۔

فلاسفہ تقریباً ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ یا ان کے معافی میں تحریف کرتے ہیں۔

(۵۷) مسلمان جب تک دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا منکر نہیں ہو گا یا کسی گناہ کو حلال نہیں جانے کا تو محض گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ضروریات دین کا منکر مسلمان اور اہل قبلہ شمار نہ ہو گا۔ اگرچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہو۔ ضروریات دین کے ماننے والے کو قرآن نے مسلمان کہا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اَبْرٰهِيْمَ هُوَ نَسَمًا كُمْ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (حج) تمہارے باپ ابراہیم کا دین اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن

میں۔ معلوم ہوا کہ اس امت مسلمہ کا لقب سلطان اس کے وجود سے پہلے ہی ہے۔ اور اس کے وجود کے بعد بھی قرآن نے اسکو سلطان کہا ہے۔

(۵۸) وَلَا نَعُوْضُ فِي اللّٰهِ وَلَا نَعَارِيْ فِي دِيْنِ اللّٰهِ. (۵۹) وَلَا نَجَادِلُ فِي الْقُرْآنِ وَنَشْهَدُ اِنَّهُ كَلَامُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهٖ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ فَعَلَّمَهُ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَلَغَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَكَلَامُ اللّٰهِ لَا يُسَاوِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلَا نَقُوْلُ بِخَلْقِهٖ وَلَا نَخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ: (۵۸) اور ہم ذات خداوندی میں غور و خوض نہیں کرتے۔ اور نہ دین الہی میں جھگڑا کرتے۔ (۵۹) اور نہ ہم قرآن کریم کے (ظاہر اور معانی) میں جھگڑا کرتے اور ہم کو اسی دیتے ہیں کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ جسکو روح الامین (جبریل) لے کر اترے پھر سید المرسلین محمد ﷺ و علی آلہ واصحابہ اجمعین کو یہ کلام سکھایا، اور یہ کلام الہی ہے۔ مخلوق کا کلام اس کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہم اس قرآن کو مخلوق کہتے اور ہم (کسی بھی مسئلہ میں) جماعت مسلمین کی مخالفت نہیں کرتے۔

تشریح: (۵۸) اللہ کی ذات و آیات میں غور و خوض کا مطلب ہے ایسے خیالات فاسدہ باطل رائے اور بے دلیل شکوک و شبہات کا اظہار جو انسان کا ذوق دین سے دور کر دے مثلاً اللہ تعالیٰ کو انسانی صفات سے متصف کرنا ارشاد باری ہے۔ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ (رعد) اور یہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتَاَهُمْ۔ (مومن) ”جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو“

اسی طرح خواہش پرستوں کو شکوک و شبہات باطلہ کی وجہ سے الٰہی حق سے محاصہ کرنا دین الہی میں محاصہ کرنا ہے جو تمام الٰہی طاغوت کے حتراف ہے۔ یعنی اپنے مسائل و معاملات کو دین الہی سے حل نہ کر کے طاغوتی طاقتوں سے حل کرتا ہے۔

جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا محاصہ دھوکہ دہی بھی ہے اور حق کا باطل سے التباس اور دعوت الی الباطل بھی۔ ارشاد باری ہے۔ یُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ۔ (نساء) چاہتے ہیں کہ فیصلہ لیجائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ان کو کہ اس کو نہ مانیں۔ وَقَالُوا آلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ۔ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا۔ (زخرف) اور کہتے ہیں ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یہ مثال جو دیتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (بقرہ)

(۵۹) قرآن کریم میں مجادلہ کا مطلب ہے۔ اس کے الفاظ و معانی میں بے جا تاویل و تحریف تاکہ الٰہی حق میں اختلاف ہو۔ اور ان کے خیالات متفرق ہو جائیں۔ یہ الٰہی باطل کا طریقہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ۔ (کہف) اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جموں جھگڑا کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو۔

قرآن کریم کے بارے میں اس بات کی شہادت بھی عقیدہ کی بنیاد میں داخل ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ بلکہ کلام الٰہی ہے۔ اور خداوندی معجزہ ہے۔ اس کا کلام الٰہی اور معجزہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے پہلے پورے قرآن۔ پھر دس سورتیں۔ پھر ایک سورۃ۔ یہاں تک کہ ایک آیت اور ایک بات کا مثل لانے کا چیلنج انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ اور پوری دنیا کے فصیح اللسان و بلیغ الکلام انسان۔ اس کا کسی بھی طرح مثل پیش کرنے سے قاصر و عاجز رہا۔ ارشاد باری ہے: (۱) قُلْ لِّبَنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانْ بِغُضْهٖمْ لِنَبْغِضَ ظَهْرَهُ۔ (بنی اسرائیل) کہہ دیجئے کہ اگر اُنس و جن ایسا قرآن لانے پر جمع ہوں تو ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن۔ اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔ (۲) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاْتُوْا بِغُشْرِ سُورٍ مِّثْلَهٗ۔ (ہود) کیا کہتے ہیں کہ اس کو محمد نے گھڑا ہے۔ کہہ دیجئے۔ لے آؤ اس کے برابر

و کفر کے درمیان ایک درجہ اور تسلیم کرتا ہے۔ مرجعہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ معسر نہیں۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی اطاعت و عبادت نافع نہیں۔ مگر یہ تینوں عقیدے غلط اور قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ معتدل اور قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ وہ یہ کہ (۱) محض گناہ کے ارتکاب سے مسلمان کو ایمان سے خارج نہیں کیا جائے گا جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ کیونکہ گناہ کو حلال سمجھنا شریعت کا انکار ہے جو کفر ہے ارشاد باری ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ** (بقرہ) اے ایمان والو! تم پر قتل کی صورت میں قصاص واجب ہے۔ دیکھئے ناحق قتل گناہ کبیرہ ہے جس کی وجہ سے قصاص واجب کیا مگر ایمان سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ مومن کہا اور اخوت دینی کی وجہ سے اہل ایمان کا بھائی کہا ارشاد باری ہے۔ **وَأَنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا** **بَيْنَهُمَا** (الیٰ ان قال) **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا** **بَيْنَ أَخَوِيكُمْ** (حجرات) اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ الخ۔ بے شک مومن دینی بھائی ہیں۔ سوائے بھائیوں میں صلح کرادو۔ (۲) ایمان کی حالت میں گناہ معسر ہے۔ اسی لئے ایسے آدمی کو فاسق و فاجر اور مستحق سزا کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ بحالت ایمان مومن کا گناہ کی وجہ سے جہنم میں جانا گناہ کے معسر ہونے کی دلیل ہے شفاعت کی آیتیں اور حدیثیں بھی اس کی دلیل ہیں کیونکہ شفاعت مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ رہا کفر کی حالت میں نیکی کا نافع ہونا تو وہ بھی ثابت ہے۔ ابوطالب کفر کی وجہ سے مستقل جہنم میں رہیں گے لیکن ان کو تمام جہنمیوں سے ہلکا عذاب دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں حضور کی حمایت اور نصرت کی۔ رہا معتزلہ کا ایمان و کفر کے درمیان ایک اور درجہ تسلیم کرنا۔ باقی تفصیل (۶۳) کے تحت۔

(۶۲) اسی طرح ہم ان مومنوں کے بارے میں جو نیکیوں کے ساتھ گناہ بھی کر لیتے ہیں اللہ کی ذات سے امید کرتے ہیں۔ کہ وہ انکے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے

گا۔ لیکن ہم ان کے متعلق گرفت اور عذاب خداوندی سے بھی بے خوف نہیں کیونکہ گناہگار کی مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، ارشاد باری ہے وَیَغْفِرُ مَا ذُوقُوا ذَلِكَ لِمَنِ يُشَاءُ۔ (نہ) اور مشرک کے علاوہ جس کی چاہے گا بخشش کر دے گا۔ اور ہمیں اس کی مشیت کا علم نہیں نیز بندہ کے باطنی احوال کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی لئے اس گناہگار کے بارے میں بھی مغفرت اور گرفت میں سے کسی ایک پہلو کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے جس نے اپنے گناہ سے سچے دل اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی ہو۔ کیونکہ اس کی توبہ قبول ہونے نہ ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (توبہ) اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ قریب ہے کہ اللہ معاف کرے انکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (اعراف) کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے دوسے سو بے ڈر نہیں ہوئے اللہ کے دوسے مکر خرابی میں پڑنے والے۔

اسی وجہ سے ہم کسی مسلمان کے بارے میں یقینی شہادت نہیں دے سکتے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی۔ علاوہ ان حضرات کے جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول نے بشارت سنائی ہو۔

چنانچہ انصار میں ایک بچہ کا انتقال ہو گیا حضرت عائشہؓ نے کہا اس بچہ کو خوش خبری ہو یہ جنت کا ایک پرندہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ يَا عَائِشَةُ اللَّهُ أَغْلَمُ بِنَا كَأَنَّا غَائِبُونَ۔

نبی اسرائیل کے دو مرد تھے ایک عابد تھا دوسرا گناہگار۔ عابد جب اس کو گناہ کرتے دیکھتا تو مسخ کرتا ایک روز اس نے کہا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے کیا تجھے میرے رب نے مجھ پر نگران مقرر کیا ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم اللہ تیری مغفرت

نہیں کرے گا۔ اور جہنم کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا اور اللہ کے سامنے حاضر ہوئے تو اللہ نے عابد سے کہا۔ کیا تو مجھے جانتا تھا۔ یا میری چیزوں پر قادر تھا۔ (جو تو نے قسم کھا کر اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا) اور گناہگار سے کہا یا میری رحمت سے جنت میں۔ اور عابد کو جہنم رسید کر دیا۔

اسی طرح بکثرت گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لئے ہم استغفار کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں مسلمان کے لئے استغفار کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلَا خَوَّانَنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ (حشر) اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے مؤمن تھے۔ لیکن چونکہ اس دعا کے قبول ہونے نہ ہونے کا ہمیں علم نہیں اس لئے اس کے عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہو گئے اور اس کی رحمت سے ناامید بھی نہیں۔ ارشاد باری ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لَا يَتَأَسُّوْ مِنْ زُوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَنْيَاسُ مِنْ زُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ۔ (یوسف) ”اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہو اللہ کی ذات سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں“

وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ سے عذاب ساقط ہونے اور معافی کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں مثلاً (۱) توبہ۔ (۲) استغفار۔ (۳) حسنت۔ (۴) دنیوی مصائب۔ (۵) قبر کی حولت کیاں۔ (۶) حشر کی حولت کیاں۔ (۷) مؤمنوں کی دعائیں مؤمنوں کے لئے۔ (۸) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ (۹) اللہ کا معاف کرنا۔

اب نہ معلوم بندہ کی مغفرت کس سبب کے تحت ہو جائے۔

(۶۳) وَالْأَمْنُ وَالْيَأْسُ سَبِيلَانِ مِنْ غَيْرِ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ وَسَبِيلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لَا هَلَّ الْقِبْلَةِ. (۶۴) وَلَا نَخْرُجُ الْعَبْدَ مِنَ الْإِيمَانِ

إِلَّا بِحُجُودٍ مَا ادْخَلَهُ فِيهِ. (۶۵) وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ
وَالْتَصَدِّيقُ بِالْجَنَانِ.

ترجمہ: اور بے خوفی اور تلامیدی یہ دونوں راستے غیر ملت اسلام کے ہیں
اور اہل قبلہ کے لئے حق راستہ ان دونوں (امید و بیم) کے درمیان
ہے۔ (۶۴) اور ہم مؤمن بندہ کو ایمان سے خارج قرار نہیں دیں گے مگر ان چیزوں
کے انکار کر دینے سے جن کی بنا پر ایمان میں داخل ہوا تھا۔ (۶۵) اور ایمان زبان سے
اقرار دل سے تصدیق (اور عمل بالا رکاز) کا نام ہے۔

تشریح: (۶۳) یعنی صرف اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو۔ اس کے عذاب سے
خائف نہ ہو یا صرف اس کے عذاب سے خائف ہو اور اس کی رحمت کا
امیدوار نہ ہو یہ دونوں صورتیں اسلام سے خارج اور غیر مسلموں کا خیال باطل ہے۔
اہل اسلام کا نظریہ اور عقیدہ اس بارے میں یہ ہے کہ اس کی رحمت کی امید اور اس کے
عذاب کا خوف دونوں انسان میں برابر موجود ہوں۔ اسی امید و بیم کے درمیان ایمان
ہے۔ ارشاد باری ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ
أَتَّهُمْ نَقِيبًا مُّقْرَّبًا أَوْ بِرُحْمَةٍ رَّحْمَةٍ وَيَتَخَفُونَ عَذَابَهُ. (نبی اسرائیل) وہ لوگ
جن کو یہ پکارتے ہیں۔ اُدھڑتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کوئی عذوبہ بہت نزدیک
ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔

لَتَجْأَفَىٰ جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَطَمَعًا (الم جسد) جدارہتی ہیں ان کی گردنیں اپنے بستروں سے پکارتے ہیں وہ اپنے
رب کو ڈر سے اور لالچ سے۔

(۶۳) اس میں معزلہ اور خواہش کی تردید ہے۔ تفصیل (۶۰) کے تحت آچکی
ہے۔ بقیہ (۶۰) کا۔ تو وہ بے دلیل ہے۔ اور غلط ہے۔ کیونکہ قلب کے لئے دوی
صورتیں ہیں۔ ایک اس میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے یا شاکہ کی بدشاہد ہوتی ہے۔ دوسری
الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ (تخاین) کوئی ہے جس نے تم

کو پیدا کیا پھر تم میں کوئی مکر ہے کوئی ایمان دار۔ مؤمن میں یقین کی مفت ہوتی ہے۔ اور کافر میں انکار کی۔ ارشاد باری ہے۔ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ۔ (سجدہ) اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ (عنکبوت) اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر کافر۔ رہے شک کرنے والے یا منافق تو وہ کافرین میں شامل ہیں اسلئے کہ ریب۔ شبہ۔ شک۔ نفاق۔ یہ سب کفر کے شعبہ ہیں۔ اور یقین کی ضد ہیں۔ اس لئے کفر و ایمان کے درمیان اور کوئی درجہ نہیں ہے۔

(۶۵) امام ابو حنیفہؒ اور ابو منصور ماتریدیؒ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے یعنی صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اور اقرار باللسان احکام کے لئے شرط ہے۔ محققین کی ایک جماعت ایمان کو مرکب مانتی ہے پھر ان میں ایک فریق کہتا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا نام ہے۔ یہی امام طحاوی کا خیال ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے۔ کہ ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالا ارکان کا نام ہے۔

معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ ایمان کا قوام اعمال سے ہے۔ اسی لئے خوارج کے نزدیک تارک اعمال خارج ایمان اور داخل کفر ہے۔ معتزلہ کے یہاں صرف خارج ایمان لیکن اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو داخل کفر ہے متکلمین کی ایک جماعت اور اہل حق علیہ کے نزدیک اعمال سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے یعنی اس سے ایمانی نور بڑھتا ہے۔

(۶۶) وَإِنْ جَمِيعٌ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي الْقُرْآنِ وَجَمِيعٌ مَا صَحَّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيِّنَاتِ كُلِّهَا حَقٌّ (۶۷) وَالْإِيمَانُ وَاحِدٌ وَأَهْلُهُ فِي أَصْلِهِ سَوَاءٌ وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِيقَةِ بِالتَّقْوَىٰ وَمُخَالَفَةِ الْهَوَىٰ وَمُلَازِمَةِ الْأَوَّلَىٰ (۶۸) وَالْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ أَوْلِيَاءُ الرَّحْمَنِ وَآكِرَ مَهْمُ عِنْدَ اللَّهِ أَطْوَعُهُمْ وَاتَّبَعُهُمْ لِلْقُرْآنِ .

ترجمہ: (۶۶) اور بلاشبہ قرآن کریم میں نازل کردہ تمام احکام اور رسول اللہ

﴿۶۷﴾ سے شریعت اور شرح کے طور پر معقول تمام احادیث برحق ہیں۔
 (۶۷) اور ایمان ایک وحدت ہے۔ اور اہل ایمان اس کی بنیاد میں برابر ہیں اور در
 حقیقت ایک دوسرے پر فضیلت خشیت الہی، تقویٰ، خواہشات نفسانی کی مخالفت اور
 افضل حکم پر پابندی سے عمل کی بنیاد پر نصیب ہوتی ہے۔ (۶۸) اور تمام مؤمنین اللہ کے ولی
 ہیں۔ اور اللہ کی نظر میں ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ اور
 رسول علیہ السلام کا زیادہ فرمانبردار اور قرآن کا زیادہ تابع ہو۔

تشریح: (۶۷) قرآن حق اور وحی قطعی ہے۔ جو انسان کے لئے ذریعہ
 ہدایت ہے۔ باطل کی آمیزش اس میں کسی بھی جانب سے نہیں
 ہو سکتی۔ ہذا ذِکْرُ مُبَارَاکِ اَنْزَلْنَاهُ اَفَانْتُمْ لَهٗ مُنْکِرُوْنَ (انبیاء) اور یہ ایک
 نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے ہزل کی سو کیا تم اس کو نہیں مانتے۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات دو طرح کے ہیں (۱) جن میں احکام جدیدہ کو
 شروع فرمایا گیا جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ (۲) جن میں احکام قرآن کی وضاحت
 اور تفسیر فرمائی ہے۔ مصنفؒ نے مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيِّنَاتِ فرما کر انہی دونوں قسموں
 کی جہاں اشارہ کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْهُ وَمَا
 نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر) جس چیز کا رسول تمہیں حکم دیں اس کو اختیار کرو۔
 اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
 لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (حل) اور ہزل کیا ہم نے تجھ پر
 قرآن تاکہ تو بیان کرے لوگوں کے سامنے جو ان کی طرف ہزل کیا گیا اور تاکہ وہ غور
 و فکر کریں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن وحدیث دونوں حجت شرعیہ ہیں
 ان سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں۔ بخلاف فرق ضالہ مثلاً جمعہ، مطلقہ، معتزلہ
 ووافض وغیرہ کے کہ یہ حدیث کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

(۶۷) جس طرح انسان حیوان تابع ہونے میں برابر ہیں اور دیگر عواض کی
 وجہ سے ان میں امتیاز ہو جیسے ایسے ہی تمام مؤمنین نفس ایمان میں برابر ہیں یعنی جن

چیزوں کے تسلیم کرنے اور اعتقاد رکھنے سے انسان مومن بنتا ہے وہ چیزیں سب کے لئے برابر درجہ رکھتی ہیں پر ایمان دہرا کے لئے ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کسی ایک چیز کے چھوڑ دینے یا نہ ماننے سے وہ مومن نہیں ہوگا۔

البتہ مومنوں میں فرق مراتب تقویٰ۔ اخلاق حسنہ۔ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان کی زیادتی کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اعمال کی زیادتی کو قبول کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فرق مراتب ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے
 ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْ بَدَأْنَا اللَّهُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (فاطر) پھر ہم نے وارث کے کتاب کے وہ لوگ چکو ہم نے جن لیا اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنے لئے۔ اور کوئی ان میں سچ کی چال پر ہے۔ اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی،
 قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ الْأَلْبَاب (زمر) کہہ دیجئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں صرف اہل عقل صحت حاصل کرتے ہیں۔ یَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ) اللہ بلند کرے گا ان کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم لگے درجہ۔ اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (حجرات) بلاشبہ تم میں اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔

(۶۸) مومن سب اللہ کے ولی اور دوست ہیں لیکن یہ دوستی انسانوں جیسی نہیں ہے جو احتیاج پر موقوف ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بے نیاز ہے۔ پھر جس طرح مومن نفس ایمان میں بنامہ ہیں نفس ولایت میں بھی برابر ہیں۔ اور ولایت میں فرق مراتب تقویٰ۔ اخلاق۔ اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جو سچی ہیں اور قرآن و سنت کے زیادہ متبع ہیں ان کو ولایت کاملہ کا درجہ حاصل ہو تا ہے۔ اور عوام مومنین کو ولایت ناقصہ حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ

آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ
الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (بقولہ اللہ ولی ہے
مومنوں کا نکال دینا ہے انکو ظلمتوں سے نور کی جانب۔ اور جو کافر ہیں ان کے ولی شیطان ہیں
نکالتے ہیں ان کو نور سے ظلمتوں کی جانب۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَصُوْلُوْهُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا (مائدہ) تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور جو ایمان
لائے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ جیسے مومن اللہ کے ولی ہیں۔ اللہ اور اس کے
رسول بھی مومنوں کے ولی ہیں اور خود مومنین بھی آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔
جیسے مومن اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ بھی مومن سے محبت کرتا ہے لہذا باری ہے
يُجِبُّهُمْ وَيُجِبُّونَهُ۔

طامات اور نیکیاں سب کی سب ایمانی شعبہ ہیں اور محاصی اور برائیاں سب کی
سب کفریہ شعبہ ہیں مگر فرق یہ ہے کہ شعبہ کفر کی جڑ انکار ہے اور شعبہ ایمان کی بنیاد
تصدیق پر ہے اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کافر نہ ہو اور کفریہ عمل کر لے۔ اور
انسان کافر ہو اور ایمانی عمل کر لے لیکن کافر ہونے کا اطلاق انکار کے وقت ہوگا
اور مومن ہونے کا اطلاق تصدیق و اعتقاد کے بعد ہوگا۔

(۶۹) وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَغْيُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَتْلُ خِيَرَةً وَشَرًّا وَخُلُوعُهُ وَمَقْرَبُهُ
مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی (۷۰) وَنَحْنُ مُؤْمِنُونَ بِذَلِكَ كُلِّهِ لَا تَفْرُقْ بَيْنَ
أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَتَصَدَّقْ كُلَّهُمْ عَلَى مَا جَاءَ وَابِهِ۔

ترجمہ: اور ایمان (کے ساتھ ایمان ہیں) تہہ دل سے ایمان (۱) اللہ
پر (۲) اس کے فرشتوں پر (۳) اس کی کتابوں پر۔ (۴) اس کے
رسولوں پر۔ (۵) یوم آخرت پر۔ (۶) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر۔
(۷) اچھی بری، شہر پر اور کدوی (مخالف و مخالف) اللہ پر کے کہہ چاہئے اللہ ہونے

پر۔ اور ہم ان تمام مذکورہ حقائق پر ایمان رکھتے ہیں اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور جو وہ پیغام لائے تھے اس کی (تمہ دل سے) تصدیق کرتے ہیں۔
تشریح: (۶۹) ایمان کے بارے میں تفصیل (۵۶) کے تحت گذر چکی ہے۔
 بحث بعد الموت پر قرآن کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى۔ ہم نے اسی (مٹی) سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے۔

بندہ کی قسمت میں جس قدر اچھائیاں یا برائیاں مقدر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس بات پر عقیدہ ایمان ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا (توبہ) کہہ دیجئے۔ ہرگز نہیں پہنچ سکتا ہم کو مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا۔ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ خَسَفَتْ يَقُولُوا هَذِهِ مِنَ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيْفَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ مَنْ عِنْدَ اللَّهِ (نمل) اور اگر ان کو پہنچے کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر پہنچے ان کو کوئی برائی تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے کہ (بھلائیاں اور برائیاں) سب اللہ کی طرف سے ہے۔

(۷۰) اصولی طور پر تمام انبیاء کا دین ایک ہے۔ اس لئے تمام انبیاء اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے جو کفر ہے۔ ارشاد باری ہے قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا (الہیٰ اَنْ قَالَ) وَمَا لَوْ تَوَدَّ الْغَائِبُونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا تَقْرُقُ بَيْنَ أَخَدٍ مِنْهُمْ وَنُغْنِ لَهُ مُسْلِمُونَ (بقرہ) کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ (الہیٰ اَنْ قَالَ) اور جو نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

(۷۱) وَأَهْلَ الْكِتَابِ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

النَّارِ لَا يَخْلُقُونَ إِذَا مَاتُوا وَهُمْ مُوَحَّدُونَ وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا ثَانِيَيْنِ

بَعْدَ أَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَارِفِينَ وَهُمْ فِي مَشِيئِهِ وَحُكْمِهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَقَّا بِفَضْلِهِ كَمَا ذَكَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ وَيُغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِقَدْرِ جَنَائِبِهِمْ بَعْدَ ذَلِكَ ثُمَّ يُغْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِينَ مِنْ أَهْلِ طَاعَتِهِ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ إِلَى جَنَّتِهِ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ جَلَّ جَلَالُهُ مُوَلَّى لِأَهْلِ مَعْرِفَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي النَّارِ إِنْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِهَذَا مِنْ خَائِبُوا مِنْ هِدَايَتِهِ وَلَمْ يَنَالُوا مِنْ وَلَّائِهِ اَللَّهُمَّ يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ مَسْكُنًا بِالْإِسْلَامِ حَتَّى نَلْقَاكَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ کی امت میں کبیرہ گناہ کرنے والے جہنم میں جائیں گے لیکن ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے بشرطیکہ وہ موت کے وقت توحید کے قائل ہوں اگرچہ انہوں نے توبہ نہیں کی بعد اس کے کہ بحالت ایمان جان جاں آفریں کے سپرد کی اور یہ (اہل کبار) اللہ کی مشیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہو گئے اگر وہ چاہے تو اپنے فضل سے ان کی بخشش کر دے اور ان کو معاف کر دے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن میں فرمایا وَيُغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (نہ) کفر و شرک کے علاوہ جسکی چاہے گا مغفرت کر دیگا۔ اور اگر وہ چاہے تو اپنے عدل و انصاف کے مطابق بقدر جنایت ان کو جہنم میں سزا دے پھر انہیں اپنی رحمت اور اہل طاعت کی سفارش سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے یہ اس وجہ سے ہو گا کہ اللہ جل جلالہ اہل ایمان کو دوست رکھتا ہے۔ اور انہیں ان منکرین کی طرح دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کرے گا جو اس کی ہدایت سے محروم رہے۔ اور اس کی ولایت کو نہیں پہنچ سکے اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے ولی (رفیق) ہمیں اسلام پر برقرار رکھ یہاں تک کہ ہم تجھ سے بحالت اسلام ملاقات کریں۔ (ایمان پر خاتمہ عطا فرما)

تشریح:

(۱۷) کبیرہ گناہ وہ ہے جس کے کرنے پر یا تو حد جاری ہو یا اس پر جہنم کی وعید وارد ہوئی ہو یا وہ لعنت و غضب کا مستحق ہو۔ مثلاً ناحق قتل۔ زنا۔ جلدو کرنا۔ پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت۔ عظیم کمال ناحق کھانا۔ میدان جہاد سے پیٹھ دے کر بھاگنا۔ سود کھانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ جھوٹی قسم کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ چوری کرنا یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔

مشرک و کافر کی بخشش نہیں ہوگی بلکہ وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں البتہ مؤمن خواہ گناہ کبیرہ کرے یا صغیرہ کرے۔ اس کی وجہ سے دائمی طور پر جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو اپنے عدل کے مطابق گناہ کی بقدر عذاب میں گرفتار کر دے اور پھر پاک و صاف کر کے جنت میں داخل کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنت سے باہر ایک نہر ہوگی ایسے لوگوں کو اس میں غوطہ لگوا کر جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ ارشاد باری ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ سو جس نے کی ذرہ برابر بھلائی وہ اسے دیکھ لیا گا اور جس نے کی ذرہ برابر برائی وہ اسے دیکھ لیا گا۔

امۃ محمد: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دیگر امتوں کے اہل کبار (ان کی شریعتوں کے منسوخ ہونے سے پہلے) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور وہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے دائمی جہنمی ہو گئے لیکن نبی کریم ﷺ کا فرمان یُخْرِجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْإِيمَانِ۔ جہنم سے نکال لئے جائیں گے وہ لوگ جن کے دل میں ربائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ مطلق ہے جس میں کسی امت کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ مطلق ایمان کا ذکر ہے۔

وان لم یکنوا: اس لئے کہ اگر توبہ کر لی تو توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے اَلَا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبْدِلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ خَيْرَاتٍ (فرقان) مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا۔ اور کیا کچھ نیک کام سو انکو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔ الثَّابِتُ مِنَ

الذُّنْبُ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (حدیث) گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

عارفین: مؤمنین کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ معرفت خدا لودہی بغیر ایمان۔ نجات کے لئے کافی نہیں خواہ وہ معرفت کامل درجہ کی ہو۔ ایلیس رب کا اور اس کی ربوبیت کا عارف ہے۔ مگر مؤمن نہیں اس لئے ناجی نہیں۔ ارشاد باری ہے وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (بقرہ) اور تمہارے کافروں میں کا۔ اہل کتاب اور بہت سے کفار مثلاً فرعون جیسوں کو معرفت حاصل تھی مگر کافر ہیں۔

مولیٰ لہم۔ اللہ تعالیٰ صرف مؤمنوں کا رفیق ہے۔ کافروں کا نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا. وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ (محمد) اللہ مؤمنوں کا رفیق ہے کافروں کا کوئی رفیق نہیں۔ غزوہ احد میں ابوسفیان نے پکارا تھا۔ لَنَا الْعُرَى وَلَا عُرَى لَكُمْ۔ آپ نے فرمایا کہہ دو۔ وَاللَّهِ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ۔

(۷۲) وَنَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ
وَعَلَى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ (۷۳) وَلَا نُنْزِلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلَا نَارًا
وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا شِرْكٍ وَلَا يَنْفَاقُ مَا لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ
شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ وَنُنْزِلُ مَوَاتِيَهُمْ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى

ترجمہ: (۷۲) اور ہم اہل قبلہ میں سے ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور اسی طرح اہل قبلہ میں سے ہر نیک و بد مرنے والے پر نماز جنازہ جائز سمجھتے ہیں۔ (۷۳) اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو نہ جنتی قرار دیتے اور نہ دوزخی (کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کرتے) اور نہ ہم کسی اہل قبلہ پر کفر و شرک اور نفاق کا فتویٰ لگاتے جب تک ان سے کوئی (کفر و شرک اور نفاق جیسی) چیز ظاہر نہ ہو اور ہم ان کے رہائزائے دہروں کو اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔

تشریح: (۷۲) لیل سنت والجماعت کے نزدیک مسلمان خولہ نیک ہو یا فاسق ہر ایک کے پیچھے نماز جائز ہے، رہا کر بہت کا مسئلہ تو اس سے یہاں

بحث نہیں اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ حدیث رسول ہے صَلُّوا خَلْفَ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ۔ نماز پڑھو ہر نیک و بد کے پیچھے یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام فاسق و فاجر اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور پھر اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابن عمر اور انس بن مالک حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے جو فاسق ظالم تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ارشاد رسول ہے یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولہم وان اخطاوا فلکم وعلیہم (بخاری)

اسی طرح ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ خود کشی کر کے مرا ہو یا اپنی طبعی موت والدین کے قاتل پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی موت مرا ہو۔ البتہ اگر امام نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا ہے۔ تو اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ شریعت اسلامیہ نے صہبیا کچھ لوگوں پر نماز جنازہ کو ممنوع قرار دیا ہے مثلاً (۱) باغی۔ (۲) رہزن۔ جبکہ عین جنگ میں قتل کر دیئے جائیں۔ اگر بعد میں مریں یا بعد میں قتل کئے گئے تو ان کی نماز پڑھی جائے گی۔ کافر و منافق پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ ارشاد باری ہے وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ اَخٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِہِ اِنَّہُمْ کَفَرُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ وَمَاتُوا وَہُمْ فَاٰسِقُوْنَ (توبہ) ان میں سے کسی پر نماز نہ پڑھے جو مر جائے کبھی بھی۔ اور نہ ان کی قبر پر کھڑا ہوئے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکفیر کی ہے۔ اور فسق کی (کفر کی) حالت میں مرے ہیں۔ کافروں پر نماز سے منع فرمانا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ مومنوں پر نماز پڑھی جائے گی خولہ مومن متقی ہو یا فاجر۔

(۷۳) ہم کسی مسلمان کو قطعی طور پر جہنمی یا جنتی نہیں کہیں گے۔ مگر جن کے جنتی ہونے کی شہادت اور بشارت نبی اکرم ﷺ نے دی ہے جیسے عشرہ مبشرہ کما سیاتی

جب تک کسی انسان سے کفریہ و شرکیہ افعال ظاہر نہ ہوں تو صرف گمان کی وجہ سے کسی کے کافر و مشرک یا منافق ہونے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ ارشاد باری ہے
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل) اور پیچھے نہ پڑ اس کے جس کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان، آنکھ، دل، ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَثَمٌ (حجرات) بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے بے شک بعضی تہمت گناہ ہے۔

(۷۴) وَلَا تَرَى السَّيْفَ عَلَى أَحَدٍ مِّنْ أُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَن وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ. (۷۵) وَلَا تَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَيْمَتِنَا وَوَلَاةَ أُمُورِنَا وَإِنْ جَاؤُوا. وَلَا تَدْعُوا عَلَيْهِمْ وَلَا تَنْزِعْ يَدًا مِّنْ طَاعَتِهِمْ وَتَرَى طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ عَزَّ وَجَلَّ قَرِيبَةً مَا لَمْ يَأْمُرُوا بِمَعْصِيَةٍ. وَتَدْعُوا لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمَعَاوَاتِ.

ترجمہ: (۷۴) اور ہم امت محمدیہ ﷺ میں کسی فرد پر تلوار چلانا (اس سے جنگ کرنا) جائز نہیں سمجھتے مگر جس پر تلوار کا چلانا واجب ہو جائے۔ (۷۵) اور ہم اپنے مسلم حکمران کی بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور نہ ہم انہیں بددعا دیتے ہیں اور نہ ان کی اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہیں اور جب تک وہ کسی معصیت (ناجائز کام) کا حکم نہ دیں ہم اطاعت خداوندی کی وجہ سے ان کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان کے لئے اصلاح اور درستی کی دعا کرتے ہیں۔

تشریح: (۷۴) مسلمان کا قتل تین صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) اگر شادی شدہ مسلمان زنا کر لے تو رجم کیا جاتا ہے۔ (۲) ناحق کسی کو قتل کر دے تو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ (۳) کوین اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے اور بغاوت مسلمین سے مخالف ہو جائے تو اس کا قتل واجب ہوتا ہے۔ (کما فی الصحیح)

چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کو جب بلوایوں نے شہید کیا تھا تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ مجھ کو کس وجہ سے قتل کر رہے ہو۔ میں نے زنا نہیں کیا۔ کسی کو ناحق قتل نہیں کیا۔ میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا۔ ارشاد باری ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً (نساء) مؤمن کے لئے حق نہیں کہ مؤمن کو قتل کرے مگر خطا ”وَمَنْ يَقتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ ۚ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا“۔ (نساء) جو کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ (لمبا زمانہ) رہے گا۔

(۷۵) مسلم حکمرانوں اور منتظمین سے بغاوت جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔ اگر وہ اپنے ماتحتوں پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ اور نا انصافی سے کام لے رہے ہیں تو بھی ان کی اطاعت ضروری ہے اس لئے کہ بغاوت کی صورت میں اگر اس ظلم و زیادتی اور نا انصافی کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو (۱) حاکم لوگ رد عمل میں ان پر اور ظلم و زیادتی کریں گے جس سے فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ (۲) نیز ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گا اسلامی شان و شوکت اور اس کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا۔ (۳) ظالم حکام کا ہم پر تسلط ہمارے فساد اعمال کی وجہ سے ہے اور یہ ایک سزا ہے۔ جو جنس عمل سے دی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے وَكَذَلِكَ نُوَلِّي بَغِضَ الظَّالِمِينَ بَغْضًا لِّمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (انعام) اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گناہگاروں کو ایک دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔ بہر حال مختلف وجوہات کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے مسلم حکمرانوں کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اور ان سے خروج و بغاوت کی اجازت نہیں دی۔ ارشاد باری ہے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ (نساء) اللہ اور رسول اور اپنے میں سے اولو الامر کی اطاعت کرو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین نے فساق حاکموں کی اطاعت کی۔ اگر شرعی طور پر اس کی اجازت دیدی جاتی تو قوم مسلم اسلامی تشخص کو باقی رکھنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہوتی اس کا اندازہ اسلامی تاریخ سے پہلے حالات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قومیں برسہا برس اس چھینا جھینٹ کا شکار رہیں۔ اور بعد والوں کے لئے کوئی راہنما اصول نہیں چھوڑ کر گئیں۔

اسی لئے ایسے حکام کے لئے بددعا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ پوشیدہ طور پر یہ بھی بغاوت ہے۔ اس طرح کی ظلم و زیادتی اور ناانصافی۔ اور آپسی خلفشار کو ختم کرنے کے لئے بجائے بغاوت وغیرہ کے اندر خانہ مؤثر تدبیریں مثبت انداز میں اختیار کجائیں حتیٰ کی ان کی درستگی اور اصلاح کے لئے دعا بھی کی جائے۔

البتہ اگر یہ حکام معصیت کا حکم دیں اور اس پر مجبور کریں تو اس بارے میں ان کی اطاعت نہیں کجائے کی ارشاد رسول ﷺ ہے۔ عَلٰی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔ (صحیحین) مسلمان پر سماع و طاعت واجب ہے۔ پسند و ناپسند چیزوں میں مگر یہ کہ معصیت کا حکم دیدیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیدیا تو نہ سماع ہے نہ طاعت کیونکہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خَالِقُ كِي مَعْصِيَةٍ فِي مَخْلُوقٍ كِي طَاعَتٍ جَائِزٍ نَحْنُ۔ اور آیت وَأُولٰٓئِ الْأَمْرُ مِنْكُمْ میں۔ اولوالامر کو رسول پر معطوف کر کے بھی اس جانب اشارہ کر دیا گیا۔ کہ جیسے رسول کسی کو اللہ کی اطاعت کے علاوہ کا حکم نہیں دیتے ایسے ہی اولوالامر کی اطاعت بھی انہیں چیزوں میں کجائے کی جس سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہو۔ ارشاد رسول ہے وَمَنْ أَطَاعَ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔ (بشرط ان الامير لا يامر بمعصية الله ورسوله) جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ کرے)

(۷۶) وَتَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَنَحْتَبُ الشُّدُودَ وَالْخِلَافَ
وَالْفُرْقَةَ (۷۷) وَنَحْبُ أَهْلَ الْعَدْلِ وَالْأَمَانَةِ وَنَبْغِضُ أَهْلَ الْجَوْرِ
وَالْخِيَانَةِ (۷۸) وَنَقُولُ اللَّهُ أَعْلَمُ فِيمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهُ (۷۹)
وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخَفَيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ كَمَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ

ترجمہ: (۷۶) اور ہم سنت و جماعت کا اتباع کرتے ہیں اور جماعت سے علیحدگی۔ مخالفت اور افتراق سے اجتناب کرتے ہیں۔ (۷۷) اور اہل عدل و امانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہل ظلم و خیانت سے نفرت کرتے ہیں۔ (۷۸) اور علم دین میں اگر ہم پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے تو اس مقام پر ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (۷۹) اور ہم سفر و حضر میں مسیح علی النجین (موزوں پر مسیح کرنے کو) جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

توضیح: سنیۃ۔ اموہ رسول اکرم۔ جماعت رسول اللہ کے اطاعت شعار۔ صحابہ و تابعین وغیرہ الی یوم الدین۔ الشذوذ۔ مصدر باب ن، ض علیحدہ ہونا۔

تشریح: (۷۶) یعنی ہم عقائد و احکامات شرعیہ میں اہل سنت و الجماعت کی اتباع کرتے ہیں۔ رائے زنی کرنے والوں خواہش پرستوں اور شیطان کی اتباع کرنے والوں سے اجتناب کلی اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءُ ثَمَلٌ مَصْبِيْرًا۔ (نہ) ہدایت واضح ہو جانے کے بعد جو رسول کی مخالفت کرے۔ غیر مومنوں کے طریقہ پر چلے تو ہم اس کو پھیر دیں جدھر وہ پھر گیا۔ اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بر لھکانہ ہے۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ (قص) اس سے زیادہ گمراہ کون ہے۔ جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث رسول کے مطابق ہم ان بہتر (۷۲) فرقوں سے اجتناب کرتے ہیں جو افراط و تفریط کا شکار ہیں اور حق راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اہل سنت و الجماعت کی اتباع کرتے ہیں جو قرآن و سنت صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ پر ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيْعًا لِّسُنَّةِ مِنْهُمْ فِىْ شَنْئِىْ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ (انعام) جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے

دین میں نور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالہ ہے۔

(۷۷) کمال بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اہل تقویٰ اور انصاف پسندوں سے اور امانتداروں سے محبت اور اہل فسق و فجور اور اہل خیانت سے نفرت کجائے۔ ارشاد رسول ﷺ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا تقاضا بھی یہی ہے اور سنت الہی بھی یہی ہے، ارشاد باری ہے ان اللہ یحب المقسطین (مائدہ)

(۷۸) جن چیزوں کا بندوں کو علم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے یعنی مشابہات کا علم اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا ہی اصل عقیدہ ہے۔ ارشاد رسول ہے دع مایر یبک الی مالا یریبک۔

(۷۹) شیعہ حضرات مسح علی الخنین کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور پیروں پر فخنوں تک مسح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ ان کے یہاں مستقل عقیدے میں داخل ہے۔ جو قرآن و سنت۔ عمل صحابہ تعالیٰ سلف اور اجماع کے خلاف ہے۔ مسح علی الخنین کی روایات حد تو اتار کو پہنچی ہوئی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخنین کی روایات جب تک میرے سامنے روز روشن کی طرح واضح نہیں ہو گئیں جب تک اس کے جواز کا قائل نہیں ہوں۔ امام کرخیؒ فرماتے ہیں جو مسح علی الخنین کو جائز نہ سمجھے مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ اہل سنت والجماعت مسح علی الخنین کو جائز کہتے ہیں۔ اسی لئے بعض سلف سے منقول ہے کہ اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ شیخین کو فضیلت دینا۔ مہتممین سے محبت کرنا۔ مسح علی الخنین کو جائز سمجھنا۔ شیعہ کے اس نظریے کی تردید کے لئے۔ مصنفؒ نے اس جزئی مسئلہ کو بنیادی عقائد میں بیان فرمایا۔ البتہ بعض روایات سے جو مسح رجلیں کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔ اس سے اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ پیروں کے دھلنے میں دیگر اعضاء کی طرح پانی کے استعمال میں احتیاط برتنی چاہئے کیونکہ عام طور پر اس میں اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔

(۸۰) وَالْخُرُوجُ وَالْجِهَادُ فَرَضَانِ مَا ضَيَّانَ مَعَ أَوْلَى الْأَمْرِ مِنْ
أَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ بَرَّهُمْ وَقَاجَرَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا
شَيْءٌ وَلَا يَنْقُصُهُمَا. (۸۱) وَتُؤْمِنُ بِالْكَرَامِ الْكَاتِبِينَ وَإِنَّ اللَّهَ
قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِينَ.

ترجمہ: (۸۰) مسلمانوں میں سے نیک و بد حکمرانوں کے ساتھ حج اور جہاد فرض ہیں۔ جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ ان دونوں کو نہ کوئی شئی باطل کر سکتی (جھٹلا سکتی) اور نہ انہیں ختم کر سکتی ہے۔ (۸۱) اور ہم کرنا ماکاتین پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ نے ان کو ہمارا محافظ بنایا ہے۔

تشریح: (۸۰) حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اور جہاد بھی اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ اور یہ دونوں ایسے فرض ہیں جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ منسوخ نہیں ہو گئے۔ دونوں کے فرائض انجام دینے کے لئے امیر و حاکم اور اہل انتظام کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ امیر و حاکم کا عادل ہونا شرط نہیں اگر امیر کسی وجہ سے فاسق و قاجر ہو تو ان کی ماتحتی میں بھی ان فرائض کو ادا کیا جائے گا کیونکہ امام عادل کی طرح یہ انتظامات فاسق بھی کر سکتا ہے۔

یہ دونوں عبادتیں چونکہ اجتماعی ہیں اور ان میں کچھ خصوصیات ہیں جو اور عبادتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً چلنا۔ پھرنا۔ نقل و حرکت۔ حتی کہ دور جانا وغیرہ۔ اس لئے دونوں کو مستقلاً ذکر کیا۔ ارشاد باری ہے وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران) اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔
(توبہ) اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے۔ جہاد کا مقصد فتنہ اور شر کو دفعہ کرنا اور کلمہ خداوندی کو بلند کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَقَاتِلُوهُمْ

خَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الَّذِينَ لِلَّهِ (بقرہ) ان سے قال کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور اللہ کا دین باقی رہے۔

الجهاد ماض الى يوم القيامة: (حدیث)

”جہاد قیامت تک جاری رہے گا“

مصنفؒ نے اُولی الامرؓ فرما کر شیعہ حضرات کی تردید کی ہے۔ جو امام معصوم کی شرط لگاتے ہیں۔ اور اس سے اس امام معصوم کی جانب اشارہ مقصود ہے جس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ غائب ہیں۔ اور اپنے وقت مقررہ پر ظاہر ہونگے۔ اس وقت وہ جہاد کریں گے۔ جبکہ یہ قول باطل اور بلا دلیل ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے خیارائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم وتصلون علیہم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونہم ویبغضونکم وتلعنونہم ویلعنونکم قال قلنا یا رسول اللہ افلا ننابذہم عند ذلک قال لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ الا من ولی علیہ وال فراه شیئاً من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یتاتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یداہ من طاعۃ۔

(۸۱) انسان کے دن رات کے اعمال لکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے دن کے لئے دو فرشتے رات کے لئے اس طرح چار فرشتے متعین فرما رکھے ہیں۔ جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ دو فرشتے انسان کی حفاظت کے لئے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کو کراما کشین کہا گیا ہے۔ دن والے فرشتے فجر کی نماز میں آتے ہیں۔ تورات والے فرشتے بعد نماز فجر چلے جاتے ہیں۔ رات والے فرشتے عصر کی نماز میں آتے ہیں تو دن والے بعد نماز عصر چلے جاتے ہیں یہ فرشتے امانت داری کے ساتھ تمام اعمال لکھتے ہیں کسی میں خیانت نہیں کرتے۔ اور کسی عمل کو نہیں چھوڑتے نہ ہمارے اعمال ان سے پوشیدہ ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحِفْظٰتِیْنَ کِزَامَا کَاٰتِبٰیْنِ یَعْلَمُوْنَ مَا تَعْمَلُوْنَ۔ (انفطار) اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عمل لکھنے والے۔ جانتے ہیں جو کچھ

تم کرتے ہو۔ اذِیْتَلَقَی الْمُتَلَقَّیَانِ غَنِ الِیْمَیْنِ وَغَنِ الشَّمَالِ قَعِیدَ مَا یَلْغُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدِیْهِ رَقِیْبٌ غَتِیْدٌ۔ (ق) جب لینے جاتے ہیں دو لینے جانے والے ایک دائیں بیضا ایک بائیں بیضا۔ نہیں بولتا کچھ بات جو ہیں ہوتا اس کے پاس راہ دیکھنے والا تیار۔ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اِنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدِیْهِمْ یُکْتَتِبُوْنَ۔ (زخرف) کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی چھپی باتوں اور سرگوشتیوں کو نہیں سنتے۔ کچھ نہیں۔ اور ہمارے فرشتے انکے پاس لکھتے ہیں۔

(۸۲) وَتُؤْمِنُ بِمَلٰئِكِ الْمَوْتِ الْمُؤَكَّلِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۸۳) وَتُؤْمِنُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِیْمِهِ لِمَنْ كَانَ لِذٰلِكَ اَهْلًا وَبِسَوَالٍ مُّتَكَبِّرٍ وَتَكْبِیْرٍ لِلْمَیِّتِ فِی قَبْرِہِ عَنْ رَبِّہِ وَنَبِیِّہِ وَدِیْنِہِ عَلٰی مَا جَاثَتْ بِہِ الْاَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَعَنْ اَصْحَابِہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ وَالْقَبْرِ رَوْضَ مَنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةَ مِنْ حُفْرِ النَّیْرَانِ۔ (ومثله فی الحدیث)

ترجمہ: (۸۲) اور ہم موت کے فرشتے (ملک الموت) پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام عالم کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے۔ (۸۳) اور ہم عذاب قبر اور اس کی راحتوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس شخص کیلئے جو اس کا اہل ہو اور قبر میں میت سے متکبر (فرشتوں) کے سوالات کو برحق جانتے ہیں جو اس کے رب۔ نبی اور دین کے متعلق کئے جائیں گے۔ اس تفصیل کے مطابق جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی احادیث سے ثابت ہے۔ اور قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

تشریح: (۸۲) ملک الموت جو روح قبض کرنے پر مسلط ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ عام لوگوں میں عزرائیل کا لفظ مشہور ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ یہ نام اسرائیلیات میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قُلْ یَتَقُوْا اَنْتُمْ مَلٰئِكِ الْمَوْتِ الَّذِیْ وَكَّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (الم عہد) کہہ

دیجئے۔ وفات دیتا ہے تم کو موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔ حتیٰ اِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى الْمَلِكِ۔ (انعام) یہاں تک کہ جب آتی ہے تمہارے پاس موت تو وفات دیتے ہیں اس کو اہل فرشتے اور وہ کو تباہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فرشتے متحد ہیں تطبیق یہ ہے کہ قابض الارواح تو ملک الموت ہی ہے اور بعد قبض ملائکہ عذاب یا ملائکہ رحمت اس کو لے لیتے ہیں۔

(۸۳) قبر کے عذاب اور اس کی راحت۔ جسم میں روح کو لوٹانا اور مگر نکیر کا ذات باری اور حضور نور دین کے بارے میں سوالات کرنا۔ نیک اعمال کی صورت میں قبر کا کشادہ ہونا۔ جنت کی کمزکیاں کھلنا اور نعمتوں کا عطا ہونا۔ اور اعمال بد کی صورت میں قبر کا تنگ ہونا۔ جہنم کی کمزکیاں کھلنا۔ اور عذاب وغیرہ کا ہونا یہ سب احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس پر یقین لانا ضروری ہے کہ بندہ کو اس دنیا کے بعد آخرت سے پہلے عالم برزخ سے واسطہ پڑے گا خواہ وہ قبر میں ہو یا کسی اور جگہ اس سے وہیں سوالات ہو گئے۔ پھر دفن و اعمال کے اعتبار سے کسی کے حق میں قبر جنت کا باغچہ ہوگی اور کسی کے حق میں جہنم کا گڑھا۔ (کذا فی الاحادیث)

(۸۴) وَتُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ الْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ وَالْقَوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِيزَانَ وَالْبَعْثُ هُوَ حَشْرُ الْأَجْسَادِ وَاحْيَائُهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: اور ہم بےش (موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے) قیامت کے دن اعمال کی جزاء عرض (اعمال کی پیشی) حساب، اعمال اللہ کے پڑھنے، ثواب و عقاب۔ پل صراط۔ میزان جیسے حقائق پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اور بےش نام ہے قیامت کے دن جسموں کو زندہ کر کے ایک جگہ جمع کرنے کا۔

تشریح: | صرف مرنے اور قبر میں دفن کر دینے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔

بلکہ مندرجہ حالات سے بھی گذرنا پڑے گا۔ دوبارہ صورت پھونکا جائے گا اور تمام جسموں کو دوبارہ زندہ کر کے میدان محشر میں جمع کیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے وَزَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبِّئُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (تغابن) اور کافروں نے گمان کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھانا ہے پھر تم کو جلتانا ہے۔ جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (مؤمنون) پھر جب پھونک ماریں صورتوں میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے۔

انسان کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (بقرة) اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

بندہ پر اس کے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ اور اسی کے مطابق اس کا حساب ہوگا۔ وہ اعمال نامہ اس کے ہاتھوں میں اڑ کر کھلا ہوا چلا جائے گا۔ جس کو وہ پڑھے گا۔ اگر اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا تو اس کا حساب آسان ہوگا۔ اور جنت میں چلا جائے گا۔ اور اگر اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ہوگا تو وہ سخت حساب میں گرفتار ہوگا اور جہنم میں جائیگا۔ ارشاد باری ہے۔ وَكُلُّ انْشَآنٍ الزَّهْنَاءُ طَائِرُهُ فِي عِظِهِ وَنُفْخُجْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يُلْقَاهُ مَنْشُورًا. اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (بنی اسرائیل) اور جو آدمی ہے لگادی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت میں ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی۔ پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔

اعمال کا محاسبہ کرنے کے بعد۔ ثواب و عقاب کی صورت میں بدلہ دیا جائیگا۔ ثواب کیلئے قرآن میں لفظ اجر۔ اور عقاب کیلئے وَزَرَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِنَّمَا تُؤْفُونَ

أَجُورُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران) قیامت میں تم کو پورا اجر دیا جائے گا۔ مَنْ
 أَعْرَضَ عَنْهُ (الذکر) فَإِنَّهُ يَخْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْراً خَالِدِينَ فِيهِ
 وَنَسَاءٌ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَنَاحٌ (ط) جو کوئی منہ پھیرے اس سے سودہ اٹھائے گا
 قیامت میں ایک بوجھ سدا رہے گا اس میں اور برا ہے ان پر قیامت میں وہ بوجھ اٹھائے۔
 اس بدلہ کی کئی صورتیں ہوں گی۔ (۱) اعمال کو دکھایا جائے گا۔ (نجم، زلزال)
 (۲) نیک اعمال کرنے والوں کی تکریم و تعظیم بد اعمال کرنے والوں کی توہین و تذلیل
 (نجم) (۳) پورا پورا بدلہ۔ (نجم) (۴) نیک اعمال کا بدلہ بد اعمال کا بدلہ برابر
 برابر۔ (انعام) فوز و خسران۔ (مومن) جنت و جہنم میں داخلہ۔ (حود)

جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس کو پل صراط کہا جاتا ہے۔ وہ تلوار سے زیادہ تیز
 اور بال سے زیادہ ہار یک ہے۔ اس پر لوہے کے آکڑے ہونگے۔ جب لوگ حساب کے
 بعد پل صراط سے پہلے موقف میں پہنچیں گے تو وہاں اندھیرا ہوگا۔ مومن حسب
 درجہ اپنے ایمان کی روشنی میں آکڑوں سے بچتا ہوا اس پل سے گذر جائے گا۔
 اور غیر مومن وہیں جہنم میں گر جائے گا۔ آکڑوں میں پھنسا اور محروم ہونا اور صراط
 پر تیز اور آہستہ چلنا یہ دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کے اعتبار سے ہوگا۔ ارشاد باری
 ہے۔ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ثُمَّ
 نُنْتَجِي الَّذِينَ أَتَقَبُوا وَتَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا۔ (مریم) اور کوئی نہیں تم
 میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر۔ پھر پچائیں گے ہم ان کو
 جو ڈرتے ہیں اور چھوڑ دیں گے گناہ کا بدلہ کو اس میں اندھے کرے ہوئے۔

بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کیلئے حسی طور پر میزان قائم کیجائے گی۔ جس میں
 دو پلڑے ہونگے ایک پلڑے میں نیکیاں دوسرے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ کما
 فی الحدیث۔ ارشاد باری ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ
 فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ جِثْقَانِ خَبْثَةٍ مِنْ خُرْدٍ لَنُتِيقَا بِهَا
 وَكُفَى بِنَا حَاسِبِينَ۔ (انبیاء) اور قائم کریں گے ہم میزان عدل قیامت میں سوکھی

نفس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو ہم لے آئیں گے اسکو۔ اور کافی ہیں ہم حساب لینے والے۔ فمن ثقلت مرازینہ فاؤلثک هم المفلحون ومن خفت موازینہ فاؤلثک الذین خسروا نفسہم فی جہنم خالدون (مومنون) سو جس کا پلڑا بھاری ہو گیا وہ کامیاب ہیں۔ اور جس کا پلڑا ہلکا رہ گیا پس وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا جہنم میں رہیں گے ہمیشہ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان متعدد ہو گئی جبکہ حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ ایک ہوگی لیکن یہ احتمال ہے کہ قرآن میں موازین سے مراد موزونات ہوں۔ اس طرح روایت آیت کے مطابق ہو جائے گی۔

آخر میں مصنفؒ نے بعث کی تعریف کر کے اس بات کو واضح فرمادیا کہ بعث سے مراد جسموں کا دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ معاد روحانی مراد نہیں۔ کفار و مشرکین بھی حشر اجساد کی اعتبار سے اسکو مستبعد سمجھتے تھے، قرآن کریم نے متعدد جگہ اس کو ثابت کیا اور کفار و مشرکین کا جواب دیا۔ ارشاد باری ہے۔ وَهَضَبْنَا لَهُمْ مِثْلًا لِّأُولَئِكَ خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ نَّحْسٍ الْعِظَامِ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْنَ اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ (یس) اور بخلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں۔ تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔ اور وہ سب دن بنانا جانتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْذُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی: "اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹاؤں گے اور اسی سے پھر پیدا کریں گے" قَالَ فِيْهَا تَخْيُوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔ کہا اسی میں تم زندہ رہتے ہو اسی میں تم مرتے ہو اور اسی سے تمہیں پیدا کیا جائے گا۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جو حشر اجساد پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعث و قیامت کا عقیدہ تمام انبیاء و رسل میں معروف تھا مگر حضور ﷺ سے پہلے کسی نبی نے اس کی پوری تفصیلات بیان نہیں فرمائی۔ اور وجہ اسکی

یہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء بلکہ خاتم الامم ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے۔ جس کے بعد بحث و قیامت ہے۔ اور آپ کا لایا ہوا دین کامل و مکمل اور تمام ادیان کو حاوی ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی مکمل تفصیل بیان فرمائی ہے۔

(۸۵) وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ لَا يَفْنَيَانِ أَبَدًا وَلَا يَبِيدَانِ.
(۸۶) وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ وَخَلَقَ لَهُمَا أَهْلًا فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلْجَنَّةِ فَضْلًا مِنْهُ وَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلنَّارِ عَذَابًا مِنْهُ. (۸۷) وَكُلُّ يَفْعَلُ لِمَا قَرَعَ مِنْهُ وَصَارَ إِلَى مَا خُلِقَ لَهُ. (۸۸) وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مَقْدَرَانِ عَلَى الْعِبَادِ.

ترجمہ: (۸۵) اور جنت جہنم پیدا ہو چکی ہیں۔ جو نہ کبھی فنا ہو گی اور نہ ہلاک ہو گی۔ (۸۶) اور اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کو انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی بنادیا۔ اور ان کا اہل بھی پیدا کیا۔ ان میں سے جسے چاہے گا اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جسے چاہے گا اپنے عدل و انصاف سے جہنم میں داخل کرے گا۔ (۸۷) اور ہر انسان وہی کام کرتا ہے جس کے لئے اس کو فارغ کر دیا گیا اور اس سے وہی کچھ ہوتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (۸۸) اور خیر و شر دونوں بندگان خدا کا مقدر ہے۔

تشریح: (۸۵) اس میں معتزلہ اور قدریہ کی تردید ہے۔ جو کہتے ہیں کہ جنت و جہنم جزاء اعمال کے لئے ہے اور عمل سے پہلے جزاء کی ضرورت نہیں لہذا ان کے عمل سے پہلے پیدا کرنا عبث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں پیدا کریں گے۔ ورنہ یہ جب تک بیکار پڑی رہیں گی۔ ان کا یہ دعویٰ صریح نصوص کے خلاف ہے جو ایک طرح کی تحریف ہے۔ کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ اور کبھی فنا نہیں ہو گی ارشاد باری ہے۔ وَخُلِقَ كُلُّ شَيْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِيرًا (فرقان) اور پیدا کیا ہر چیز کو اور مقرر کیا اس کا اندازہ۔ جنت کے بارے میں فرمایا۔ أُعْذِثُ لِلْمُتَّقِينَ۔ تیار کر دی گئی متقیوں کے لئے۔ جہنم کے بارے میں

فرمایا۔ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ (آل عمران) تیار کر دی گئی کافروں کے لئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا۔ قرآن میں مذکور ہے۔ يَا ذمَّ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ (بقرہ) نبی اکرم ﷺ نے جنت و جہنم کو جدار قبلہ میں متمثل دیکھا۔ آپ نے معراج میں جنت و جہنم کی سیر کی۔ قرآن میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہی کے پاس جنت الہکای ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے دعاء کی تھی رَبِّ اِنِّیْ لِیْ عِنْدَکَ بَیِّنَاتٌ فِی الْجَنَّةِ۔

حدیث طویل میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کو پیدا فرمادیا تو حضرت جبریل کو معائنہ کیلئے بھیجا۔ جو ان کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ قبر میں مؤمن اور نیک انسان کے لئے جنت کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ جس سے اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبود وغیرہ آتی ہے۔ اسی طرح کافروں کا جہنم کے لئے جہنم کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ جس سے اس کے پاس جہنم کی گرم ہوا آتی ہے۔ یہ سب حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ جنت و جہنم پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ کبھی فنا نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔ ارشاد باری ہے۔ واما الذین سعدوا ففی الجنة خالدین فیہا واما الذین شقوا ففی النار خالدین فیہا۔ اور بہر حال جو نیک بخت ہیں سو وہ جنت میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو بد بخت ہیں وہ جہنم میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۸۶) کائنات کی تمام چیزیں انسان کی ضرورت کے لئے ہیں اور ضرورت کی چیز کو طبعی طور پر مقصود سے پہلے پیدا کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم حتیٰ کہ تمام کائنات آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد حضرت انسان کو پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْانْسِ۔ (اعراف) اور تحقیق ہم نے پیدا کئے جہنم کیلئے بہت جن و انس۔

حضرت آدم و حوا کا جنت میں سکونت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پہلے ہی پیدا کر دی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ یَا عَائِشَةُ اِنَّ اللہَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِیْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ

أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ۔ اے عائشہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کا مستحق پیدا کر دیا۔ ان کو جنت کے لئے اس وقت پیدا کر دیا تھا جبکہ وہ اپنے آباء کی مہربانی میں تھے۔ اور جہنم کے لئے مستحق پیدا کر دیا۔ اور ان کو جہنم کے لئے اس وقت پیدا کر دیا تھا جبکہ وہ آپ نے آباء کی مہربانی میں تھے۔

اور اس حقیقت میں راز یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مسخر بطبعہ (۲) متحرک بارادۃ۔ مسخر بطبعہ کا مطلب ہے کہ کائنات کی بہت سی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنا تابع فرمان بنایا ہے۔ اور اس کی طبیعت میں اس اطاعت کو پیدا فرمادیا۔ اب وہ مخلوق صرف اسی ڈیوٹی کو انجام دے گی جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی اسکے برخلاف اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتی نہ اس میں خلاف ورزی کی طاقت۔

متحرک بارادۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوق کو ارادہ و اختیار عطا فرمایا ہے۔ جو نفع و نقصان کے اعتبار سے اسکے شعور و علم کے تابع ہے۔ جیسے انسان۔ قسم ثانی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) جو صرف خیر کا ارادہ کر سکتی ہے جیسے فرشتے۔ (۲) جو صرف شر کا ارادہ کر سکتی ہے جیسے شیاطین۔ (۳) جس سے دونوں طرح کے ارادے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جیسے انسان۔ اس آخری قسم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ایمان۔ معرفت اور عقل۔ خواہشات پر غالب ہوں۔ یہ قسم ملائکہ مفت ہے۔ (۲) ایمان۔ معرفت اور عقل پر خواہشات غالب ہوں۔ یہ قسم شیاطین مفت ہے۔ (۳) اس کی شہوت بہیمیہ عقل پر غالب ہو، یہ چوپایہ مفت ہے۔

پس مناسب تھا کہ انسان کی ہر صنف کیلئے ایک مناسب دار ہو۔ پس ملائکہ مفت انسانوں کیلئے حسب درجات جنت بنائی جس میں بعض کا دخول پہلے مرحلہ میں بعض کا دوسرے مرحلہ میں ہو گا۔ اور شیاطین مفت انسانوں کے لئے حسب درجات جہنم بنائی بعض درجہ اسفل میں اور بعض ان سے اوپر اور ہلکے عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

(۸۷) جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس سے متعلق تمام چیزوں کو مثلاً اس کی عمر۔ روزی۔ اس کا عمل۔ وہ اللہ کے علم میں شقی ہے یا سعید۔ تقدیر میں لکھ

دیا گیا۔ جس میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہوگی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ انسان وہی عمل کرے گا جو اس کے لئے ماقبل میں لکھے جا چکے ہیں۔ اور اس کا رجحان انہیں اعمال کی طرف ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ان اعمال کو اس کے لئے کر دیں گے۔ ارشاد باری ہے۔
 فَأَلْهَمْنَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور سچ کر چلنے کی۔ فَأَمَّا
 مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ، وَأَمَّا
 مَنْ اسْتَعْغَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ۔ (لیل) پس جس
 نے دیا اور ڈرا۔ اور تصدیق کی بھلی بات کی تو اس کو ہم سچ سچ پہنچادیں گے آسانی میں۔
 اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو اس کو سچ سچ
 پہنچادیں گے سختی میں۔ اعملوا فكل ميسر لما خلق له (حدیث) عمل
 کرو۔ ہر ایک کو وہی میسر آئے گا جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

(۸۸) خیر و شہوندہ کا مقدر ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ انسان کی
 تقدیر میں اگر برائی لکھی ہوئی ہے تو وہ اس کو ضرور کرے گا۔ تو پھر مواخذہ کیوں ہوگا
 جب وہ اس برائی کے کرنے پر مجبور ہے۔ اس کا جواب ہم نے خلق و کسب کے درمیان
 فرق کے تحت بیان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر میں صرف یہی نہیں لکھا
 ہے کہ بندہ گناہ کرے گا بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ گناہ اپنے اختیار و ارادہ سے کرے گا یہ
 نہیں کہ بندہ اللہ کی تقدیر سابق کی وجہ سے عمل پر مجبور ہے بلکہ اس کے عمل کا سبب
 اس کا اپنا ارادہ و اختیار ہے جس میں وہ مجبور نہیں اسی لئے اس کے عمل پر ثواب و عقاب
 مرتب ہوتا ہے اور اس کے عمل کو جنت و جہنم کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے
 تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (زخرف) یہ جنت
 ہے جس کا تم کو تمہارے عمل کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا
 كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (اعراف) اپنے عمل کی وجہ سے عذاب چکھو۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجب اور مسبب اللہ تعالیٰ ہے۔ اور کاسب و فاعل بندہ ہے۔
 اور اس میں کوئی منافات نہیں جیسے اللہ تعالیٰ خالق و ولد ہے۔ مگر اس تخلیق کا سبب و طی ہے۔

لیکن اللہ کی تخلیق اور انسان کے عمل و عملی میں کوئی منافات نہیں ہے۔

(۸۹) وَالْإِسْطَاعَةُ ضَرْبَانِ أَحَدُهُمَا الْإِسْطَاعَةُ الَّتِي يُوجَدُ بِهَا الْفِعْلُ نَحْوَ التَّوْفِيقِ الَّذِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُوصَفَ الْمَخْلُوقُ بِهِ فَيُحْيَى مَعَ الْفِعْلِ وَأَمَّا الْإِسْطَاعَةُ الَّتِي مِنْ جِهَةِ الصَّحَةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَكُّنِ وَسَلَامَةِ الْأَلَاتِ فَيُحْيَى قَبْلَ الْفِعْلِ وَهُوَ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا.

ترجمہ: استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ استطاعت جس کے ذریعہ فعل وجود میں آتا ہے جیسے وہ فعل جس سے مخلوق کو متصف نہیں کیا جاسکتا یہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے (دونوں لازم و ملزوم ہیں) (۲) وہ استطاعت جو صحت و وسعت و قدرت اور موافق اسباب کی صورت میں مہیا ہوتی ہے۔ اس کا وجود فعل سے پہلے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں بناتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

تشریح: یہ بات مشاہدہ کے مطابق ہے کہ انسان میں بہت سے کام کرنے کی قدرت ہے اور بہت سے کاموں کی نہیں۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ انسان نہ قادر مطلق ہے نہ عاجز مطلق۔

مکلف کیلئے استطاعت و قدرت ضروری ہے۔ کیونکہ جس چیز کی بندہ میں طاقت نہ ہو اس کا اسے مکلف بنانا شرعاً ممنوع ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ) اللہ مکلف نہیں بناتا کسی نفس کو مگر اسکی وسعت کے مطابق۔ اسی استطاعت و قدرت سے بندہ احکام شرع کا مخاطب ہوتا ہے۔

استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) استطاعت بمعنی قدرت (۲) استطاعت بمعنی صحت۔ اس قسم کو کبھی وسع کبھی تمکن اور کبھی سلامتی اسباب و آلات سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱) پہلی قسم فعل سے پہلے وجود میں نہیں آتی بلکہ جب بندہ اچھے برے فعل کا

ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب اختیار کرنے کے وقت اس فعل کو پیدا فرماتے ہیں اور وہ چیز معرض ظہور میں آجاتی ہے۔ یعنی یہ قدرت فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی مثال ارشاد باری ہے۔ مَا كَانُوا اِيَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (ہود) نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھنے کی۔ اس میں ہقیقۃ قدرت سماع اور قدرت بصارت کی نفی ہے۔ نہ کہ اسباب و آلات کی کیونکہ وہ تو موجود ہیں۔ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ بے شک تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس میں بھی ہقیقۃ قدرت صبر کی نفی ہے۔ نہ کہ اسباب صبر کی وہ تو موجود تھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہاں عتاب اور ملامت کی گئی ہے۔ جبکہ آلات و اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں ملامت نہیں ہوتی ملامت تو اس آدمی کو ہوتی ہے جو فعل نہ کرے۔ اور قدرت فعل دوسرے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے ضائع کر دے۔ جس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ یا اس فعل سے غافل رہنے کی وجہ سے جس کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲) دوسری قسم۔ آلات و اسباب اور اعضاء وغیرہ کا صحیح سالم ہونا۔ تاکہ فعل کے کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ یہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آل عمران) اللہ کے لئے لوگوں پر مقرر ہو چکا حج بیت اللہ کا جو طاقت رکھتا ہو اس تک راہ چلنے کی۔ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَنْكَحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمَا مَلَكَتْ اِيْمَانُكُمْ (نساء) اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے مسلمان پیریاں تو نکاح کر لے ان سے جو تمہارے ہاتھ مال ہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن) ”سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے۔“

استطاعت کی یہ دونوں قسمیں مؤمن و کافر سب کے لئے عام ہیں۔ اور ہر فعل کے لئے عام ہیں۔ خواہ فعل حسن ہو یا قبیح۔ مگر قدرت کی ایک قسم اور ہے۔ جس کو توفیق ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی بندہ کسی فعل حسن کے اسباب اختیار کرتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اگر اللہ کی جانب سے اس کے کرنے کی توفیق مل

گئی تو وہ کام ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ استطاعت کی یہ قسم مؤمن کے ساتھ خاص ہے۔
 کیونکہ یہ توفیق فضل الہی ہے۔ اور کافر اس کا محل نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلَٰكِنَّ
 اللّٰهَ خَبَّابُ الْيَكْمِ الْاِيْمَانُ وَزَيِّنُهُ فِي قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ الْيَكْمِ الْكُفْرُ
 وَالْفُسُوْقُ وَالْعَصْيَانُ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاٰسِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
 وَبِغْنَةٍ (حجرات) مگر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس
 کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ
 لوگ وہی ہیں نیک راہ پر۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔ فَمَنْ يَرِدِ اللّٰهُ اَنْ
 يَّهْدِيْهِ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِّلْاِسْلَامِ وَمَنْ يَرِدْ اَنْ يَّضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ
 ضَيِّقًا حَرَجًا كَانُنَا يَصْعَدُ فِي السَّمٰوٰتِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ
 الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ (انعام) پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ
 ہدایت دے تو کھول دیتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے اور جس کو چاہتے ہیں کہ گمراہ
 کرے تو اس کا سینہ خوب تنگ کر دیتے ہیں گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ ایسے ہی اللہ
 تعالیٰ کر دیتا ہے گندگی ان لوگوں پر جو مؤمن نہیں۔

مصنفؒ کے قول احد ہمارے یہی قسم مراد ہے۔ معز لہ اس قسم کو جمیع مخلوق
 کے لئے عام قرار دیتے ہیں۔ مصنفؒ نے الذی لا یجوز الخ کے ذریعہ اس کی تردید
 کی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور کفار محل فضل نہیں۔

مصنفؒ نے استطاعت کی مختصر اور قسمیں بیان کی ہیں۔ تیسری قسم کی مستقل
 عنوان کے ساتھ صراحت نہیں کی۔ البتہ ان دونوں قسموں میں اس کے اوصاف بیان
 کر دیئے تاکہ معز لہ کا رد ہو جائے۔ پس تیسری قسم ان دونوں قسموں سے مستفاد ہے۔
 نیز مصنفؒ نے التی یوجد بها الفعل کہہ کر معز لہ اور قدریہ کی تردید کی
 ہے جو کہتے ہیں کہ استطاعت فعل سے قبل نہیں ہوتی۔ معتدل قول اہل سنت کا ہے۔
 جو ابھی اوپر نقل کیا گیا کہ استطاعت ایک قسم فعل سے پہلے ہوتی ہے اور ایک قسم فعل
 کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔

(۹۰) وَأَفْعَالُ الْعِبَادِ هِيَ خَلْقُ اللَّهِ وَكَسْبٌ وَمِنْ الْعِبَادِ.
 (۹۱) وَلَمْ يَكْلَفْهُمْ اللَّهُ إِلَّا مَا يُطِيقُونَ وَلَا يُطِيقُونَ إِلَّا مَا
 كَلَّفَهُمْ وَهُوَ تَفْسِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ
 نَقُولُ لَا حِيلَةَ لِأَحَدٍ وَلَا حَوْلَ لِأَحَدٍ وَلَا حَرَكَةَ لِأَحَدٍ عَنْ
 مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِلَّا بِمَعُونَةِ اللَّهِ وَلَا قُوَّةَ لِأَحَدٍ عَلَى إِقَامَةِ طَاعَةِ اللَّهِ
 وَالثَّبَاتِ عَلَيْهَا إِلَّا بِتَوْفِيقِ اللَّهِ.

ترجمہ: (۹۰) اور بندگان خدا کے افعال اللہ کی مخلوق اور بندوں کا کسب ہیں۔
 (۹۱) اور اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں بنایا بندوں کو مگر انہیں کاموں کا جس
 کی وہ طاقت رکھتے ہیں۔ اور وہ طاقت نہیں رکھتے مگر انہیں کاموں کی جس کے وہ مکلف
 بنائے گئے ہیں اور لا حول ولا قوۃ الخ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ (جس کی وضاحت میں) ہم
 کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنے میں نہ کسی کا کوئی بس چلتا نہ کسی
 کی طاقت کا زور نہ کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر حرکت کر سکتی اور اللہ کی توفیق کے بغیر
 اس کی طاعت پر قائم اور ثابت قدم رہنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

تشریح: (۹۰) اس عبارت سے مصنفؒ نے جبریہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے۔ جبریہ
 کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی تدبیر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
 بندہ نہ افعال کا خالق ہے نہ کاسب۔ معتزلہ اس کا برعکس کہتے ہیں۔ کہ بندہ ہی اپنے افعال
 کا خالق و کاسب ہے اللہ نہیں یہ دونوں نظریے باطل ہیں اور بلادلیل ہیں۔ اہل سنت کا
 عقیدہ یہ ہے کہ سب افعال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خالق افعال۔ ارشاد باری ہے وَاللَّهُ
 خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ۔ (صافات) بندہ کے اسی کسب و اختیار پر ثواب و عقاب
 مرتب ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ
 (بقرہ) اسکے لئے ثواب ہے اس کا جو اس نے کیا اور اس پر گناہ ہے اس کا جو اس نے کیا۔

(۹۱) تکلیف و وسعت مساوی ہیں۔ جس طرح تکلیف بقدر وسعت ہے اسی
 طرح وسعت بقدر تکلیف ہے۔ ارشاد باری ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا

وَسُعْهَا (بقراءه) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (بقراءه) اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔

(۹۲) وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيَةِ اللَّهِ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ فَغَلَبَتْ
مَشِيَّتُهُ الْمَشِيَّاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَاءُ هَ الْحِيلِ كُلَّهَا يَفْعَلُ اللَّهُ مَا
يَشَاءُ (۹۳) وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ أَحَدًا لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

ترجمہ: (۹۲) کائنات کی ہر چیز اللہ کی مشیہ اور قضیہ و قدرت سے جاری ہے۔ پس اس کی مشیت تمام مشیتوں (سب کے ارادوں) پر غالب اور اس کا فیصلہ تمام تدبیروں پر غالب ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۹۳) اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔

تشریح: (۹۲) نظام خداوندی دو طرح کا ہے۔ (۱) تشریح جس میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کیلئے کتاب و شریعت دے کر انبیاء کرام کو بھیجا گیا۔ (۲) بخوبی جس میں کائنات کا نظام اللہ کی قدرت و مشیت اور اسکی قضیہ کے مطابق چلتا ہے۔ یعنی موت و زندگی، عمر، رزق، راحت و آسانی، مصیبت و پریشانی، نجات و ہلاکت۔ ان خدمات کے لئے عام طور سے ملائکہ اللہ مقرر ہیں مگر زمرہ انبیاء میں بھی حق تعالیٰ نے بعض کو اس قسم کی خدمت کیلئے مخصوص کر لیا ہے جیسے خضر علیہ السلام۔ یہاں قضا سے قضیہ کوئی ہی مراد ہے۔ نہ کہ شرعی۔ اسلئے کہ قضا کی بلکہ ارادہ، امر، نواہی، کتاب، حکم، تحریم اور کلمات وغیرہ کی دو قسمیں ہیں (۱) کوئی، (۲) شرعی۔

قضاء کوئی: جیسے فَقَضَيْنَاهُمْ سَبْعَ سَنَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ۔ (فصلت) پھر کردئے وہ سات آسمان و دو دن میں۔

قضاء دینی شرعی: جیسے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَاءَهُ۔ (اسراء) ارادہ کوئی جیسے فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صُدْرَهُ لِخ (انعام) ارادہ

شرعی۔ جیسے یُرِیدُ اللہ بِکُمُ التَّيْسَرَ وَلَا يُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ) اور کوئی جیسے اِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس) صرف اس کا امر جب ارادہ کر تا کسی چیز کا یہ ہے کہ کہتا ہے کن۔ ہو جا، سودہ ہو جاتی ہے۔

امر شرعی: جیسے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الْخ۔ (محل) بلا شبہ اللہ حکم دیتا ہے عدل و احسان کا الخ۔

اَوَّلُ كَوْنِي: جیسے وَمَا بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ) اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم خداوندی۔

اَوَّلُ كَوْنِي: جیسے۔ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّبْنَةٍ أَوْ نَزَعْتُمْ مِنْهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ (حشر) جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے۔

کتاب کوئی: جیسے وَمَا يُغْنِي عَنْكَ مَالُكَ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عَمَلِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ (فاطر) اور نہ عمر یا تاجہ کوئی بڑی عمر والا۔ اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔

کتاب شرعی: جیسے وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ (مائدہ) اور فرض کر دیا ان پر ہم نے اس میں کہ نفس کے بدلے نفس ہے۔

حکم کوئی: جیسے، فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذُنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِي (یوسف) سو میں تو ہر گز نہ سر کوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دیں مجھ کو میرا باپ یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف۔

حکم شرعی: جیسے، أَجَلْتُ لَكُمْ بَهِيمَةَ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرِ مُجَلًى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ۔ (مائدہ) حلال کر دیئے گئے تمہارے لئے چوپائے۔ مویشی سوائے انکے جو تم کو آگے سنائی جاویں گی۔ مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں۔ اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے۔

تحريم کوئی: جیسے، فَانْهَآ مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِينَ سَنَةً يَتَيَهُونَ فِي

الْأَرْضِ۔ (ماندہ) سو یہ حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس۔ سمراتے پھریں گے ملک بھر میں۔

تحريم شرعی: جیسے۔ حُرِّمْتُ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْجَنْزِيرِ۔ (ماندہ) حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون، اور خنزیر کا گوشت۔

کلمات کوئی: جیسے۔ وَتَمَثَّلْتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَآئِيلَ بِمَا صَبَرُوا۔ (اعراف) اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر۔ بسبب ان کے صبر کرنے کے۔

کلمات شرعی: جیسے وَإِذَا بَتَلْتُمُنِي ابْنَ آدَمَ رَبُّهُ بِكَلِمَتٍ فَأَتَمَّهُنَّ۔ (بقرہ) اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے کلمات سے سو پورا کر دیا اس نے انکو۔

ان تمام اقسام و حقائق کی روشنی میں یہ معلوم ہو گیا کہ بندہ کا فعل اللہ کے ارادہ اس کی قضا و قدرت اور حکم و مشیت مکتوبی و تشریحی کی اجازت سے ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کا ارادہ وغیرہ بندہ کے ارادہ کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اس میں جبریہ کی تردید کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ تردید کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کے افعال میں مجبور نہیں بنایا۔ تخلیق افعال تو اللہ ہی کی صفت ہے۔ لیکن فعل کا ارادہ اور کسب و اختیار بندہ کو حاصل ہے۔ مگر بندہ کا ارادہ مستقل نہیں جو اس کو اللہ سے مستغنی کر دے۔ بلکہ بندہ کے ارادہ اور مشیت میں اللہ کے ارادہ اور مشیت سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ أُوْمَرِمْ نَحْنُ لَا نَسْتَعِظُ لَكُمْ مِنْهُ لَقَدْ نَبَّأْنَا الْإِنْسَانَ أَنَّهُ لَكُنْ عَذَابُ اللَّهِ غَدًّا أَلَمْ يَكُنْ مِنْ آدَمَ الْأَوَّلِينَ وَإِنْ يَسْتَعِظْ سَوْفَ يَكُونُ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ (ہود) اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو خبر دیا کہ تو عذاب اللہ کا ہے۔ (۹۳) اللہ تعالیٰ ظلم اور جح یعنی تمام اچھے برے افعال کا خالق ہے۔ اور ظلم کرنے پر قادر بھی ہے مگر اس کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ قدریہ اور جبریہ بنی آدم جو ظلم و جح کرتا ہے اس کا ذمہ دار اللہ کی ذات کو ٹھہراتے ہیں۔

پس مصنف کی عبارت میں حیلہ و حرکت کی نفی تو بندہ سے کی گئی ہے مگر کسب و ارادہ کی نفی نہیں کی گئی ہے اعمال کی تخلیق اسی کسب و ارادہ پر ہوتی ہے۔ کما مر تفصیلہ (۹۳) اللہ تعالیٰ ظلم اور جح یعنی تمام اچھے برے افعال کا خالق ہے۔ اور ظلم کرنے پر قادر بھی ہے مگر اس کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ قدریہ اور جبریہ بنی آدم جو ظلم و جح کرتا ہے اس کا ذمہ دار اللہ کی ذات کو ٹھہراتے ہیں۔

حالانکہ اللہ کی ذات ان تمام افعال قبیحہ سے منزہ ہے۔ ارشاد باری ہے ما انا لیس بظلام للعبید۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا عبادنی انی حرمت الظلم علی نفسی۔ میں ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ پھر ظلم نام ہے ملک غیر میں تصرف کا۔ اور تمام کائنات اللہ ہی کی ملک ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پس کون دامر میں اس کا تصرف اس کی اپنی ملک میں تصرف ہے۔ نہ کہ ملک غیر میں تو ظلم کہاں سے ہوا۔

اسی طرح اللہ کی ذات سے اس کے کسی فعل کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی کیونکہ سوال ایسی شئی پر ہوتا ہے جو خلاف حجت ہو۔ جبکہ اللہ کی ذات خود حجت ہے۔ بلکہ حجتوں کی حجت ہے۔ کیونکہ حجت کے لئے ضروری ہے کہ وہ حق اور عدل کے ساتھ منتسب ہو۔ اور حق و عدل اللہ کی ذات ہے۔ پس اللہ کی ذات سے کون سوال کرے اور کس حجت سے کرے۔ مخلوق میں یہ بات نہیں ہے اس لئے خالق ان کے افعال کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔

(۹۴) وَفِي دُعَاءِ الْأَخْيَاءِ وَصَدَقْتِهِمْ مَنَفَعَةً لِّلْأَمْوَاتِ (۹۵)
وَاللَّهُ تَعَالَى يَسْتَجِيبُ الدُّعَوَاتِ (۹۶) وَيَقْضِي الْحَاجَاتِ
(۹۷) وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ وَلَا يَمْلِكُهُ شَيْءٌ (۹۸) وَلَا غِنَىٰ عَنِ
اللَّهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنَىٰ عَنِ اللَّهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَّقَدْ كَفَرَ وَكَانَ
مِنَ أَهْلِ الْخَيْرِ (۹۹) وَاللَّهُ يَغْضِبُ وَيَرْضَىٰ لَا تَأْخُذُ مِنْ أَلْوَرَىٰ.

ترجمہ: (۹۴) اور مردوں کے لئے زندوں کا دعاء کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا نفع بخش ہے۔ (۹۵) اور اللہ تعالیٰ دعائوں کو قبول کرتا ہے۔ (۹۶) اور حاجتوں کو پوری کرتا ہے۔ (۹۷) اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور کوئی اس کا مالک نہیں۔ (۹۸) اور کوئی بھی ایک لمحہ کے لئے اللہ کی ذات سے بے نیاز نہیں۔ اور جو ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے بے نیاز ہو گیا تو وہ کافر ہے۔ اور ہلاکت زدہ لوگوں میں شمار ہے۔

(۹۹) اور اللہ تعالیٰ غضبناک بھی ہوتا ہے اور راضی بھی لیکن اس کی ناراضی اور خوشی مخلوق جیسی نہیں ہے۔

تشریح: اہل سنت والجماعت کا مستفقہ عقیدہ ہے کہ مردوں کے لئے دعاء و استغفار اور صدقہ و خیرات نفع بخش ہے۔ کتاب و سنت میں اس کی صراحت منقول ہے۔ اس میں معتزلہ کی تردید کی گئی ہے۔ جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو اجماع اور نصوص کے خلاف ہے۔ مصنفؒ نے ایصالِ ثواب کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔ (۱) دعاء و استغفار۔ ارشاد باری ہے۔ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (حر) اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد اے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں۔

نماز جنازہ کی مشروعیت، دفن کے وقت اور زیارۃ قبر کے وقت کی احادیث میں منقولہ دعائیں ان سب کا مقصد استغفار و غیرہ ہی ہے۔

(۲) صدقہ و خیرات یعنی عبادتِ مالی۔ جیسا کہ حدیث عائشہؓ میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بعد اپنی مرحومہاں کی طرف سے صدقہ کیا۔ (۹۵) ارشاد باری ہے اذْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن) مجھ سے مانگو میں تمہاری دعاء قبول کروں گا۔ دعاء عبادت کا مغز۔ حصولِ منفعت اور دفعِ مضرت کا قوی ذریعہ ہے۔ حتیٰ کہ اس نکتہ کو کافروں نے بھی سمجھا ہے چنانچہ حالتِ اضطرار میں کافروں کا اللہ سے دعاء کرنا قرآن مجید میں منقول ہے۔ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّينَ (عبکوت) پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کر کے اس کے لئے اطاعت۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مَنْ لَمْ يَسْتَسْئِلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ (ابن ماجہ) جو اللہ سے نہیں مانگا اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔ جبکہ مخلوق کا حال یہ ہے کہ وہ سوال کرنے سے غصہ ہوتی ہے۔

وَالرَّبُّ يَغْضَبُ اِنْ تَوَكَّلْتَ سُوَالَةً وَتَبَيَّ اَقَمَ حِيْنَ يُسْتَسْأَلُ يَغْضَبُ

(۹۶) اَمْ مَنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیُکْشِفُ السُّوءَ (مئل) بھلا کون پہنچتا ہے یکس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے، اور دور کرتا ہے سختی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم اسباب میں اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ شریعت اسباب کو نہ معطل کرتی نہ مؤثر بالذات سمجھتی۔ پس کلی طور پر اسباب کی طرف التفات شرک فی التوحید اور ذلت ہے۔ اور اسباب کو بالکل لغو قرار دینا عقل کی کوتاہی اور انانیت ہے۔ اور اللہ پر توکل کے ساتھ اسباب اختیار کرنا عبدیت ہے۔

(۹۷) ارشاد باری ہے لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْہِنَّ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (مائدہ) اللہ کے لئے آسمان و زمین کی ملکیت اور جو ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی بے نیاز نہیں سب اللہ کے محتاج ہیں۔ یعنی تمام مخلوق اپنے وجود و بقا۔ موت و حیات۔ رزق و کسب۔ حرکات و سکنات وغیرہ تمام چیزوں میں اللہ کی محتاج ہے۔ کیونکہ محتاج مطلق غنی مطلق سے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَیَّ اللّٰہِ وَاللّٰہُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر) اے لوگوں تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز قابل ستائش ہے۔

(۹۹) دیگر صفات کی طرح اللہ کے لئے صفت رضا و غضب بھی ھیچہ ثابت ہے۔ لیکن ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کی صفت رضا و غضب مخلوق کی رضا و غضب کی طرح نہیں ہے۔ لٰیْسَ کَمِثْلِہُ شَیْءٍ (الایۃ) اس کی صریح دلیل ہے کہ کوئی شئی ذات و صفات میں اس کے مشابہ نہیں ہے۔ جس طرح ملائکہ کا غضب منکرین پر۔ ضروری نہیں کہ انسان کے غضب کے مماثل ہو اس لئے کہ ملائکہ میں وہ چار عناصر نہیں ہیں جو انسان میں پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا خون قلب جوش مارتا ہے۔ پس اللہ کا غضب مخلوق کے غضب کے مماثل کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ مخلوق کسی بھی طرح اس کے مشابہ

نہیں۔ اسکے اندر صفت رضا و غضب اس کی شلیان شان ہے، اس لئے ہم انکی ایسی بتویل بھی نہیں کریں گے جو ان کو اس کی شلیان شان حقیقت سے پھیر دے۔ اگرچہ یہ صفات ذات باری اور انسان دونوں کیلئے استعمال ہوتی ہیں مگر یہ اشتراک صرف لفظی ہے، معنوی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاعْزَ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور تیار کیا ہے اس کے لئے بڑا عذاب۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (توبہ) اللہ ان نے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

(۱۰۰) وَنُحِبُّ اصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
وَلَا نَقْرُطُ فِی حُبِّ اَحَدٍ مِنْہُمْ وَلَا نَتَّبِعُ مِنْ اَحَدٍ مِنْہُمْ وَنُبْغِضُ
مَنْ یُبْغِضُہُمْ وَبَغِیْرَ الْحَقِّ یَذْکُرُہُمْ وَلَا نَذْکُرُہُمْ اِلَّا بِاِیْمَانٍ
وَحُبِّہُمْ دِیْنٍ وَاِیْمَانٍ وَاحْتِسَابٍ وَبُغْضُہُمْ کُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْیَانٌ۔

ترجمہ: اور ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ان میں سے کسی سے برأت ظاہر کرتے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھتا ہے۔ اور اجماع انداز سے انکام نہیں لیتا۔ اور ہم ان کا تذکرہ نہیں کرتے مگر خیر کے ساتھ۔ اور ان سے محبت دین ایمان اور احسان کی علامت ہے۔ اور ان سے بغض کفر نفاق اور سرکشی ہے۔

توضیح: اصحاب صاحب کی جمع ہے۔ ساتھی۔ صحابی رسول۔ تقرط باطل کرنا۔ بغض۔ دشمنی۔ نفرت۔ کفر ایمان کے خلاف عقیدہ۔ نفاق۔ دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا۔ طغیان ظلم و تا فرمانی میں حد سے بڑھنا۔

تشریح: نبی اکرم ﷺ کے بعد دین کے حاملین اور اس بار امامت کے اٹھانے والے صحابہ کرام ہیں۔ جس سے ان کی فضیلت، عظمت اور تقدس ظاہر ہے۔ قرآن و حدیث کے فضائل و مناقب سے پر ہیں۔ رضوان اور محبت الہی کا پروانہ انہیں دنیا ہی میں ملایا گیا۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْہُمْ وَرَضُوا

غَنَهُ. يُجِبُّهُمْ وَيُجِبُّونَهُ' بلاشبہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبوب ہیں۔ اس لئے انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ مخلوق کے بھی محبوب ہونے چاہئیں اور ہر فرد بشر کو ان کے ہر فرد سے بلا تخصیص عقیدت مندانہ محبت ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی محبت کو اپنی محبت اور صحابہ سے بغض کو اپنے بغض کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم من بعدی غرضاً من اخبہم فبخبی اخبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم ومن آذاہم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ ففیوشک ان يأخذہ'۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی سو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا سو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا۔ اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اس کا مواخذہ ہو۔

البتہ اس محبت و اعتقاد میں شیعہ حضرات کی طرح افراط و تفریط سے پاک و صاف رہنا ضروری ہے۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت علیؑ اور اہل بیت کو بڑھا دیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کو ان کی ثلیان شان مقام پر فائز رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ خوارج نے حضرت علی و عثمان اور اہل بیت سے برائت ظاہر کی ہے یہ دونوں نظریئے غلط اور گمراہ کن ہیں۔ ارشاد باری ہے لا تغلوا فی دینکم اپنے دین میں غلو نہ کرو۔

صحابہ کا تذکرہ انکے فضائل و مناقب اور ان کی عملی و دینی زندگی اور اسلامی خدمات کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ صاحب شریعت ﷺ نے ان کے بارے میں اپنے بعد خیرات ہونے کی خبر دی ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ زمانوں میں بہتر میرا زمانہ۔ پھر اس سے ملا ہوا۔ پھر اس سے ملا ہوا۔ تمام صحابہ عدول ہیں۔ معیار حق ہیں۔ کیونکہ تمام صحابہ محبت نبی سے فیضیلت، زیارت نبی سے شرف۔ آپؐ کی تعلیمات سے بلا واسطہ محفوظ ہونے والے۔

اور ان کے بدن، روح، اور قلوب انوار نبوت سے منور و منجلی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا عالم، فقیہ، مجتہد، صوفی، قطب، غوث، ادنیٰ صحابی کے بھی ہم پہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا۔ حضرت معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز تو آپ نے نہایت منصفانہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک پر جو غبار بیٹھا تھا۔ اس گرد و غبار کے برابر بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مقام نہیں ہے۔

اس لئے صحابہ سے محبت ایمان و دین میں داخل ہے۔ کیونکہ صحابہ سے محبت حب نبی کی وجہ سے ہے۔ اور آپ سے محبت اصل ایمان ہے۔ پس آپ کے واسطے صحابہ سے محبت بھی اصل ایمان میں سے ہے۔

صحابہ سے بغض و عداوت، برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا۔ ان کو شب و شتم کرنا۔ ان کی شان میں گستاخی کرنا۔ تنقید و ملامت کا نشانہ بنانا ناجائز ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسا شخص واجب القتل اور بعض کے نزدیک واجب التعزیر ہے۔

حضرات شیعہ، خوارج اور مودودی سب صحابہ کی شان میں گستاخ ہیں صرف نوعیت جداگانہ ہے۔ ان میں مودودی زیادہ خطرناک ہیں جو صحابہ پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ۔ وہ بھی انسان ہیں ہم بھی انسان ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی نظر میں اس طرح کے فرقے گمراہ ہیں۔ کیونکہ صحابہ سے بغض حدیث کی تصریح کے مطابق بغض نبی کی دلیل ہے اور نبی سے بغض کفر و طغیان ہے۔ اس لئے صحابہ سے بغض بھی کفر و طغیان اور نفاق ہو گا۔

اہل سنت والجماعت کا نظریہ اور عقیدہ صحابہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ان کو انبیاء کی طرح معصوم نہیں مانتے۔ اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہم جیسے مردوں کی طرح اچھے برے اعمال کرتے تھے۔ یعنی نہ تو ان کی تعریف میں مبالغہ کر کے انہیں انبیاء کا درجہ دیتے اور نہ ان کی تنقیص کر کے عام مردوں کے درجہ میں انہیں اتارتے۔

(۱۰۱) وَ ثَبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَ تَقْدِيمًا عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ هُمْ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَ الْأَيُّمَةُ الْمَهْدِيُّونَ

ترجمہ: (۱۰۱) اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت (کا اولین درجہ) ثابت کرتے ہیں تمام امت میں ان کے افضل اور فائق ترین ہستی ہونے کی وجہ سے پھر (دوسرے درجہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیلئے پھر (تیسرے درجہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے پھر (چوتھے درجہ) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے ثابت کرتے ہیں اور یہ خاندان راشدین اور ہدایت یافتہ امت کے امام ہیں۔

تشریح: (۱۰۱) تمام صحابہ میں افضل خلفاء راشدین ہیں، اور خلفاء راشدین میں بلکہ انبیاء کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ ہیں، خلافت کی ترتیب بھی فضیلت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ ان چاروں صحابہ کی خلافت کے حق ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت ۲ سال ۳ ماہ تک رہی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ساڑھے دس سال رہی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت ۱۲ سال تک رہی حضرت علیؓ کی خلافت ۴ سال ۹ ماہ تک رہی، اور حضرت حسنؓ کی خلافت ۶ ماہ تک رہی۔ پھر انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کر لی تھی اس طرح خلافت راشدہ کا یہ تیس سالہ دور ہے جو بیس حدیث ثابت ہے اسکے بعد بادشاہت و سلطنت کا دور ہے حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں میں سب سے پہلے بادشاہ ہیں اور تمام مسلم بادشاہوں میں سب سے افضل ہیں۔

تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی حضرت ابو بکرؓ نے اپنی حیات کے آخری دور میں صحابہ کے اتفاق سے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد

مقرر کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے آخری دور میں چھ نفری کمیٹی کے ذریعہ باطلاق صحابہ حضرت عثمانؓ کو مقرر کیا، حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو وہ اپنا خلیفہ نہیں بناسکے اسلئے انصار و مہاجرین میں سے ارباب عل و عقد نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی کیونکہ اب روئے زمین پر آپ ہی سب سے افضل تھے۔

(۱۰۲) وَإِنَّ الْعَشْرَةَ الَّذِينَ سَمَّاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشَّهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ عَلَى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ وَهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَزُبَيْرٌ وَسَعْدٌ وَسَعِيدٌ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُمْ أَمَنَاءُ هَذِهِ الْأُمَّةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: (۱۰۲) اور بلاشبہ وہ دس صحابہ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نام بنام) تصریح فرمادی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے، اور آپ کا یہ فرمان برحق ہے اور وہ دس حضرات (عشرہ مبشرہ) یہ ہیں : (۱) حضرت ابو بکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت طلحہؓ (۶) حضرت زبیرؓ (۷) حضرت سعدؓ (۸) حضرت سعیدؓ (۹) حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ (۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور یہ سب اس امت کے امین کہلاتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تشریح: (۱۰۲) ان حضرات کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، ارشاد ہے أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ (ترمذی) وَ فَضَائِلُ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصَى.

(۱۰۳) وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ فَقَدْ بَرِيَ مِنَ النِّفَاقِ
 (۱۰۴) وَعُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ الصَّالِحِينَ السَّابِقِينَ وَالتَّابِعِينَ وَ
 مَنْ بَعَثَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالْإِثَرِ وَالْفِقْهِ وَالنُّظَرِ لَا يُذَكَّرُ إِلَّا
 بِالْحَمْدِ وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوءٍ فَهُوَ عَلَى غَيْرِ السَّبِيلِ (۱۰۵) وَلَا
 تَقْبَلُ أَحَدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ

ترجمہ: (۱۰۳) اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور آپ کی
 ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ اولاد کی شان میں اچھی گفتگو کی
 (انہیں ہر قسم کے اخلاقی میل کچیل سے پاک سمجھا) تو وہ نفاق سے بری ہے۔ (۱۰۴) اور
 علمہ سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین اور بعد میں آنیوالے خیر و بھلائی والے اہل حدیث،
 اہل فقہ و نظریں، ان کا ذکر ہر اچھے انداز میں ہونا چاہئے، جس نے انہیں برے انداز میں
 یاد کیا وہ یقیناً راست پر نہیں ہے (۱۰۵) اور ہم کسی دلی کو کسی نبی پر فضیلت نہیں دیتے۔

توضیح: ازواج جمع زوج، خاوند، بیوی۔ ذریات جمع ذریۃ: اولاد، نسل
 (۱۰۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِی
 اَصْحَابِیْ لَا تَنْجِدُوْهُمْ مِنْ بَغْدِیْ غَرَضًا۔ میرے
 صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ اَذْکُرْکُمْ
 اَللّٰهُ فِیْ اَهْلِ بَيْتِیْ ثَلَاثًا۔ رواہ مسلم میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے
 میں اللہ کا حوالہ دیکر تین چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ اِرْقُبُوا مُحَمَّدًا فِیْ اَهْلِ
 بَيْتِهِ (رواہ البخاری) محمد کا خیال رکھو اس کے اہل بیت میں سے۔

ان روایات کی روشنی میں اصحاب رسول، ازواج مطہرات وغیرہ سے حسن
 عقیدت رکھنا، اور ان کی عملی زندگی کو معیار حق سمجھنا اصل ایمان اور کمال طاعت ہے،
 اور ان سے بغض و عناد رکھنا، بدگمانی اور سب و شتم کرنا، ملامت و تنقید کا نشانہ بنانا اور ریا
 و سمعہ اور رواجان کی شاخوانی اور مدح سرائی کرنا نصوص کی مخالفت، ایمان سے دشمنی

اور نفاق سے بڑھ کر نفاق ہے۔

(۱۰۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کثیرہ میں صحابہ کرام کی عظمت، فضیلت و منقبت اور عدل و امانت بیان فرمائی ہے ارشاد رسول ہے اَکْرَمُوا أَصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ (مشکوٰۃ) میرے صحابہ کی تعظیم کرو وہ اس لئے کہ وہ تم سب میں بہتر ہیں۔

النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءُ مَا تَوَعَّدُ وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ وَ أَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ. (رواہ مسلم)

ستارے آسمان کی حفاظت کا ذریعہ ہیں جب ستارے ختم ہو جائیں گے (قرب قیامت میں) تو آسمان پر وہ حوادث آئیں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے (ٹوٹ پھوٹ، خرق و التیام) اور میں اپنے صحابہ کی حفاظت کا ذریعہ ہوں پس جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ حالات آئیں گے جن کا ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کی حفاظت کا ذریعہ ہیں پس جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ حالات آئیں گے جن کا ان کے متعلق وعدہ کیا گیا ہے۔ (علامات قیامت کا ظہور) اسی لئے اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے اِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ عَدُوٌّ فَعَبُّهُمْ دَيْنٌ وَ بُغْضُهُمْ نِفَاقٌ۔ بے شک تمام صحابہ عادل ہیں ان سے محبت دین اور ان سے بغض نفاق ہے۔ صحابہ کے بعد آپؐ نے تابعین کے خیر امت ہونے کی شہادت دی ہے خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔ (حدیث)

آپؐ نے علماء امت کی بھی شہ جمیل بیان فرمائی ہے اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (حدیث) بے شک علماء انبیاء کے وارثین ہیں۔

اہل حدیث و اہل فقہ و نظر کیلئے بھی آپؐ نے دعا کی ہے نَصْرُ اللَّهِ أَمْرٌ

سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ قَرِيبٌ مُبَلِّغٌ أَوْعَىٰ لَهُ مِنْ سَامِعِ اللَّهِ
 تعالیٰ اس آدمی کو خوش کرے جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر سننے کے مطابق اس کی
 تبلیغ کی پس بسا اوقات مبلغ سامع سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ، تابعین، علماء، محدثین، فقہاء، اولیا
 اللہ سے محبت، حسن عقیدت اور ان کا ذکر بالخیر مسلمانوں پر لازم ہے، ان کی برائی اور
 توہین سے اجتناب ضروری ہے آج کل لوگوں نے علماء کو مطعون کرنے کا مشغلہ بنا
 رکھا ہے جو دین اور دنیا دونوں اعتبار سے مضرب اور علماء کی توہین بحیثیت علماء کفر ہے۔

(۱۰۵) اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کوئی ولی نبی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا نبوت
 کا مقام ولایت سے اونچا ہے، ہر نبی ولی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ولی نبی ہو
 کیونکہ (۱) ولی نبی کی اتباع سے بنتا ہے، معلوم ہوا کہ نبی اصل اور ولی اس کی فرع ہے اور
 اصل، فرع سے افضل ہوتی ہے (۲) نبوت وہی اور اللہ کی جانب سے اجبہ یعنی انتخاب
 ہے اور ولایت کسی ہے، بندہ کے اللہ کی طرف اتابت یعنی رجوع کرنے سے حاصل
 ہوتی ہے، اور اجبہ اتابت سے افضل ہے۔ (۳) نبی معصوم ہوتا ہے، قبل النبوة اور بعد
 النبوة بھی، ولی نہ قبل الولاۃ معصوم ہوتا ہے نہ بعد الولاۃ، بلکہ غیر معصوم ہوتا ہے
 اور معصوم غیر معصوم سے افضل ہوتا ہے۔ (۴) تمام صحابہ مقدس ہیں، درجہ بدرجہ
 قرآن وحدیث نے انکی شہادت دی ہے اور صحبت نبی کی وجہ سے ان صفات سے
 متصف ہیں جن سے ولی متصف نہیں، اس کے باوجود صحابہ کا مقام نبوت سے بڑھ کر
 نہیں کیونکہ ان میں یہ شان تقدیس علوم نبوت سے پیدا ہوتی ہے تو ولی کو یہ مقام کیسے
 حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ولایت تمام متقین بلکہ تمام مومنین میں مشترک ہے۔ ان
 اُولَیِّیَآءِ اِلَّا الْمُنْتَفُونَ۔ اس لئے عام چیز خاص پر کیسے فوقیت حاصل کر سکتی ہے؟ ان
 مختلف وجوہ ترجیح کی وجہ سے ولایت کا مقام نبوت سے نہیں بڑھ سکتا پس کچھ اغراض
 کے بندوں اور مطلب پرستوں کا یہ کہنا کہ مقام ولایت نبوت سے اعلیٰ وافضل ہے غلط
 ہے اور صریح نصوص کے خلاف ہے۔

(۱۰۶) وَ تَقُولُ نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيعِ الْأَوَّلِيَاءِ (۱۰۷)
 وَ نُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَ صَحَّ عَنْ الثِّقَاتِ مِنْ رَوَايَاتِهِمْ
 (۱۰۸) وَ نُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوجِ الدَّجَالِ وَ نَزُولِ
 عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ وَ خُرُوجِ يَاجُوجَ وَ مَا جُوجَ.

ترجمہ: (۱۰۶) اور (بلکہ) ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے
 (۱۰۷) اور ہم اولیاء سے ظاہر ہونیوالی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں اور ان
 سے مروی ثقہ روایات کو صحیح مانتے ہیں (۱۰۸) اور ہم قیامت کی علامات پر یقین رکھتے
 ہیں مثلاً دجال کی آمد، عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے نزول فرمانا، یاجوج و ماجوج کا خروج۔

تشریح: (۱۰۶) ارشاد رسول ہے۔ اَنَا الْكَرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔
 (رواہ الترمذی) میں اولین اور آخرین میں معزز ہوں۔ اس حدیث
 سے آپ کا تمام اولیاء اولین و آخرین بلکہ تمام انبیاء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا، اور نفس
 نبوت میں تمام انبیاء مشترک ہیں اسلئے تمام انبیاء کا تمام اولیاء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

(۱۰۷) کرامت اور معجزہ کہتے ہیں خوارق عادت امور کا ظاہر ہونا، یعنی اللہ
 کے کسی فعل کا بندے کے ہاتھوں ظاہر ہونا۔ اگر یہ خرق عادت نبی کے ہاتھوں ظاہر
 ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر کسی ولی یا بزرگ کے ہاتھوں ظاہر ہو تو کرامت کہلاتا ہے اور
 اگر ولی کے علاوہ کسی اور سے ظاہر ہو تو تحیل اور استدراج کہلاتا ہے جس کا کوئی اعتبار
 نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خرق عادت امر ظاہر ہونے کیلئے ایمان شرط نہیں اس
 طرح کی باتوں کا ظہور غیر مؤمن سے بھی ہو جاتا ہے، مگر ولی کیلئے دینداری اور اس پر
 استقامت شرط ہے۔ اس لئے تنہا خوارق کا ظہور عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں
 بلکہ اس کا معیار اصل دین ہے اگر وہ دیندار ہے تو وہ عند اللہ مقبول ہے ورنہ مردود، خواہ
 اس سے کتنے ہی خوارق ظاہر ہوں۔ ولی کی کرامت معجزات انبیاء کا اثر ہے جیسا کہ متقی
 عالم کا علم علم انبیاء کا اثر ہے اور حسن اخلاق انبیاء کے اخلاق کی فرع ہے۔

کرامت اولیاء کا ثبوت کتاب و سنت سے ہے اسی لئے محدثین نے اپنی کتابوں میں

باب انکرامات کا عنوان قائم کیا ہے اور صحابہ اور ان کے بعد اولیاء کی کرامت نقل کی ہیں

(۱) حضرت مریم کی کرامت قرآن میں مذکور ہے (۲) حضرت عمرؓ کے خط سے دریائے نیل جو خشک ہو گیا تھا جاری ہو گیا (۳) نہادند میں آپ کا لشکر جنگ میں مصروف ہے آپ نے مدینہ میں جمعہ کے خطبہ کے دوران کہا یا ساریۃ الجبل۔ تو لشکر کے لوگوں نے اس کو سنا۔ (۴) شدید تاریک رات میں اسید بن خضیرؓ اور عباد بن بشرؓ حضور کے پاس سے جا رہے تھے تو ان کی لامنی روشن ہو گئی جس سے انہیں روشنی مل گئی (۵) حضرت ابو بکرؓ کے پاس کچھ مہمان کھانا کھا رہے تھے جتنا کھانا وہ کھاتے تھے اس سے زیادہ وہ کھانا بڑھتا جاتا (۶) سعید بن مسیب تابعی حرہ کے دنوں میں جب مسجد نبوی میں تین دن اذان نہیں ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے ہلکی سی آواز سنی اور اس سے نماز کا وقت پہچانا (۷) مولیٰ رسول حضرت سفینہؓ ایک سفر میں قافلہ سے کسی وجہ سے الگ ہو گئے اور راستہ بھول گئے تو راستہ میں ایک شیر ملا اور اس سے کہا اے ابوالحارث (شیر کی کنیت) میں غلام رسول راستہ بھول گیا ہوں مجھے راستہ بتاؤ، تو شیر ان کے ساتھ چلا اور رستہ بتایا۔ اس طرح کی بیشمار کرامات ہیں جن کو یہاں شمار نہیں کر لیا جاسکتا ہم ان سب کرامات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۰۸) قرب قیامت میں کچھ علامتیں ظاہر ہوں گی جو اس بات کا پتہ دیں گی کہ اب قیامت قریب ہے ان علامتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہاں بیان فرمایا ہے اور کچھ علامتیں قرآن کریم میں بھی بیان کی گئی ہیں مثلاً (۱) دخان (۲) دجال کی آمد (۳) زمین سے ایک چوپایہ کا نکلنا (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) عیسیٰ بن مریم کا نزول فرمانا (۶) یاجوج ماجوج کا خروج (۷) تین خسوف ایک مشرق میں ایک مغرب میں ایک جزیرہ عرب میں (۸) یمن سے ایک آگ چلے گی جو لوگوں کو حشر تک یجائے گی ارشادات باری یہ ہیں: وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ ذَاتَهُ مِنَ الْاَرْضِ فَتَكَلَّمُوا عَنْهُمْ۔ اور جب ان پر بات ثابت ہو جائیگی تو پیدا کریں گے ہم زمین (مٹا پہاڑی سے) ایک چوپایہ جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَ مَاْجُوجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَذْبٍ
يَنْبَسِلُونَ۔ (انبیاء) یہاں تک کہ جب (سکند ذوالقرنین کی بتائی ہوئی آہنی دیوار ٹوٹ
جائے گی جس کے ذریعہ قوم یاجوج و ماجوج کا راستہ بند کر رکھا ہے تو) یاجوج و ماجوج کھول
دیئے جائیں اور وہ ہر اونچان سے پھسلنے چلے آئیں گے (اور دنیا میں فساد پھیلانے کے
پھر ایک بیماری پھیلے گی جس سے وہ سب مر جائیں گے)

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا تَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ
آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (انعام) جس دن آئے گی
ایک نشانی تیرے رب کی نہ کام آئے گا کسی نفس کو اس کا ایمان جو پہلے سے ایمان نہ لایا
تھا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی ”یعنی جب سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا تو
اسکے بعد نہ کسی کافر کا ایمان قبول ہو گا نہ کسی فاسق کی توبہ“

حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰؑ جو مسیح ہدایت ہیں آسمان سے
مسجد اقصیٰ کے مینارہ پر نزول فرمائیں گے امام مہدیؑ کی اقتداء کریں گے، صلیب توڑیں
گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے جو مسیح ضلالت ہے جس کی ایک
آنکھ کالی ہوگی اور اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا۔ (مختصر از حدیث)

(۱۰۹) وَلَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا وَلَا عَرَّافًا (۱۱۰) وَلَا مَنْ يَدَّعِي
شَيْنًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَاجْتِمَاعَ الْأُمَّةِ (۱۱۱) وَنَرَى
الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا وَالْفِرْقَةَ زَيْفًا وَعَذَابًا۔

ترجمہ: (۱۰۹) اور ہم کسی کاہن (نجوی) کی تصدیق نہیں کرتے (۱۱۰) اور نہ ہی
ہم اسے سچا جانتے جو کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف کوئی دعویٰ
کرے (۱۱۱) اور ہم جماعتِ مسلمین کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور فرقہ بندی کو کجروی
اور عذاب سمجھتے ہیں۔

توضیح: کاہن: وہ شخص جو مستقبل میں واقع ہونیوالی چیزوں کی خبر دے، پوشیدہ
چیزوں کی معرفت کا دعویٰ کرے اور غیب کی باتیں بتائے۔ عراف:

نجمی، طبیب، ستاروں وغیرہ کا حساب لگا کر کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔

تشریح:

(۱۰۹) علم غیب باری تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے کسی اور میں یہ صفت نہیں ہے لہذا اگر کوئی انسان مثلاً کاہن یا نجومی وغیرہ غیب کی خبریں دیں تو ہم ان کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ احادیث میں اس کی تصدیق پر سخت وعید آئی ہے ارشاد رسول ہے مَنْ أَتَى عَرَافًا أَوْ كَاهِنًا وَفِي رَوَايَةٍ فَقَدْ سَأَلَهُ وَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ۔ (مسند احمد) جو عراف یا کاہن کے پاس آیا (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے) اور اس سے معلومات کی پھر جو اس نے کہا اس کی تصدیق کی تو اس نے انکار کیا اس کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جیسے اس حدیث سے سائل کا حال معلوم ہو گیا مسؤل کا حال بدرجہ کوئی معلوم ہو گیا کہ وہ بھی کافر ہے۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی حقیقت کے بارے میں عرض کیا کہ یہ (کاہن) کبھی ہم کو کوئی چیز بتا دیتے ہیں تو وہ حق ثابت ہو جاتی ہے، تو آپ نے فرمایا: وہ بات تو حق ہوتی ہے اور اس کو شیطان چوری چھپے سن کر ان کاہنوں کے ذہن میں ڈال دیتا ہے پھر وہ کاہن اس میں سو جھوٹ ملاتا ہے۔

در اصل اس فن کہانت میں ریاضت، تخیل اور شیطاں سے مدد لی جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس طرح کے بہت طریقے رائج تھے یہ سب طریقے قمار، جو اور باطل ہیں، اس لئے اسلام نے سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کی اور ان کو حرام قرار دیا۔ ارشاد باری ہے: وَ إِنَّ كَانِ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (جن) اور یہ کہ تھے کتنے مرد انسانوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے پھر تو اور زیادہ سرچڑھنے لگے۔ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (مائدہ) شراب، جواہت اور پانے گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو۔ (۱۱۱) اسلام کی آمد کا مقصد تمام انسانوں کو نکتہ وحدت و اجتماعیت پر جمع کرنا ہے

جو اس کا طرہ امتیاز ہے اسی لئے اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی اجتماعیت کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور انتشار و افتراق کو گمراہی اور ذریعہ عذاب، ارشاد باری ہے
وَاعْتَصِمُوا بِخَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) اور مضبوط پکڑو اللہ
کی رسی سب ملکر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ وَ إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ۔ (بقرہ) جنہوں نے کتاب اللہ میں اختلاف کیا وہ بڑی ضد پر ہیں۔
حدیث میں ہے لا اسلام الا بجماعة۔ اسلام بغیر اجتماعیت کے نہیں۔

فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف حق کی تلاش میں ہوتا ہے اس لئے وہ کبھی نہیں اور مذموم نہیں بلکہ محمود ہے اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اُنہی کے متعلق آیا ہے کیونکہ دین کے بنیادی مسائل میں وہ متحد ہیں، اور فروعات میں ان کا اختلاف مضبوط دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔

ارشاد باری ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ عَلَيْنَا عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكَ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكَ اَوْ يَلْبَسَكُمْ شَيْعًا وَ يَذِيقَ بَعْضُكُمْ بِاَسِّ بَعْضٍ۔ (انعام) تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا ہمزادے تم کو مختلف فرمتے کر کے اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی۔

و دِينَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ وَاحِدٌ وَهُوَ دِينُ
الْإِسْلَامِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَقَالَ تَعَالَى
رَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ وَالتَّشْبِيهِ
وَالْتَعْطِيلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ وَبَيْنَ الْأَمْنِ وَالْيَأْسِ فَهَذَا دِينُنَا
وَاعْتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَبَاطِنًا۔

ترجمہ: (۱۱۲) اور زمین و آسمان میں عزوجل کا دین ایک ہی ہے، اور وہ دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے (اور دوسرے مقام پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رَضِیْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا، (مائدہ) میں نے اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا اور یہ (دین اسلام) افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل اور جبر و قدر اور بے خونی و ناامیدی کے درمیان (ایک سیدھا راستہ ہے) پس ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے یہی ہمارا دین و اعتقاد ہے (ظاہر اُنیسی زبان سے اقرار اور عمل بالارکان کر کے اور باطناً یعنی مکمل یقین اور تصدیق قلبی کر کے)

توضیح: ذہین اسلام: کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں ہے (۱) وہ طریقہ جو اللہ نے بندوں کیلئے اپنے رسولوں کی زبانی مشروع کیا (۲) اطاعت و فرمانبرداری، جیسا کہ تمام مخلوق (جن و انس وغیرہ) تکوینی و تشرعی طور پر اللہ کے تابع فرمان ہے ارشاد باری ہے وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا كَرْهًا (آل عمران) اور اسی کے حکم میں ہے جو آسمان و زمین میں ہیں خوشی سے اور لاچارائی سے (۳) عبدیت مطلقہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ معبود اور تمام مخلوق اس کے بندے ہیں، ارشاد باری ہے إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا (مریم) کوئی نہیں آسمان و زمین میں جو نہ آئے رحمن کا بندہ ہو کر۔

تشریح: (۱۱۲) حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا دین ایک ہی رہا ہے یعنی دین اسلام۔ شرعی احکام و مسائل میں حالات اور ضرورتوں کے مطابق اگرچہ سب کی شریعت مختلف رہی ارشاد باری ہے إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ، اللہ کی نظر میں دین فقط اسلام ہے۔ وَمَنْ يُبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ (آل عمران) اور جو اسلام کے علاوہ دین اختیار کرے گا سو ہرگز قبول نہیں کیا جائے ارشاد رسول ہے اِنَّا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ دِينُنَا وَاحِدٌ۔ ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہم سب کا دین ایک ہے۔ باری تعالیٰ نے الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل کردی اور چونکہ یہ دین بنی نوع انسان کیلئے نعمت عظمیٰ تھا اس لئے آپ کی ذات اقدس پر اس نعمت کا اتمام کر دیا کر دیا گیا۔

مَنْ يَبْتَغِ فِي كَلِمَةٍ "مَنْ" سب کو شامل ہے اور یہ حکم اپنے عموم و اطلاق کے اعتبار سے اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اسلام کو اس امت اور سابقہ سب امتوں حتیٰ کہ زمین و آسمان میں سب کیلئے ثابت مانا جائے۔

دین محمدی میں اعتدال اور میانہ روی ہے، نہ اس میں دین موسوی جیسا افراط یعنی تقصیر ہے، نہ دین عیسوی جیسی تفریط یعنی غلو، نہ اس میں راہبانہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ حلال چیزوں کو بھی حرام کیا ہو اور نہ یہ کہ چوپاؤں کی طرح آزاد، کہ حلال و حرام میں امتیاز باقی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے زہد و تقویٰ میں غلو سے کام لیا اور عہد کیا کہ نہ ہم گوشت کھائیں گے نہ عورتوں سے نکاح کریں گے نہ رات میں سوئیں گے نہ دن میں افطار کریں گے اور بعض نے تو خسی ہونے کا ارادہ کر لیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو انہیں عتاب کیا اور فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا جو اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں جبکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی ہوں کھڑا بھی ہوتا ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ پس جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تقصیر اور کوتاہی کرنیوالوں کے بارے میں ارشاد باری ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ وَ يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ۔ (ماعون) سو خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیز مانگی نہیں دیتے۔ وَيَلِ الْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ۔ (مطففين) خرابی ہے گھمانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھما کر دیں۔ وَلَا يَخْسِرُونَ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔ اور خیال نہ کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے اپنے

فضل سے انہیں دیا ہے کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے نہیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔
 فہذا: یعنی شروع کتاب سے لیکر اب تک جو بیان کیا گیا وہ سب ہمارا دین اور
 اعتقاد ہے اسلئے کہ یہ تمام باتیں کتاب و سنت کے حکمت اور تصریحات ہیں اور ہمارے
 سلف صالحین کا غیر منقطع متواتر سلسلہ ہے جس کی سند اول سے آخر تک متصل ہے۔

(۱۱۳) وَ نَحْنُ بُرَاءٌ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنْ كُلِّ مَا خَالَفَ الَّذِي
 ذَكَرْنَاهُ وَ بَيَّنَّاهُ وَ نَسَأَلُ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يُشَيِّتَنَا عَلَى الْإِيمَانِ وَ يَخْتِمَ
 لَنَا بِهِ وَ يَعِصِمَنَا عَنِ الْإِهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَ الْآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَ
 الْمَذَاهِبِ الرَّدِّيَّةِ مِثْلَ الْمُشَبَّهَةِ وَ الْمُعْتَزَلَةِ وَ الْجَهْمِيَّةِ وَ
 الْجَبَرِيَّةِ وَ الْقَدَرِيَّةِ وَ غَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِينَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَ الْجَمَاعَةَ
 وَ خَالَفُوا الصَّلَاةَ (كَالْمُؤَدُوْدِيِّ وَ الرِّضَاخَوَانِيِّ وَ الْقَادِيَانِيِّ وَ
 غَيْرِ الْمُقَلِّدِينَ) وَ نَحْنُ بُرَاءٌ مِنْهُمْ وَ هُمْ عِنْدَنَا ضَلَالٌ أَرْدِيَاءُ وَ
 بِاللَّهِ الْعِصْمَةِ وَ التَّوْفِيقِ وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلَى
 آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ وَ سَلَّمَ وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

ترجمہ: (۱۱۳) اور ہم اللہ کی جانب برأت ظاہر کرتے ہیں ہر اس شخص سے جو
 اس طریقہ کا مخالف ہو جس کو ہم نے ذکر کیا اور بیان کیا (اور یہ
 اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم نے جو ذکر کیا وہ اہل حق کا مسلک ہے جس میں نہ افراط ہے نہ
 تفریط بلکہ راہ اعتدال ہے) اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ ہم کو ایمان پر ثابت
 قدم رکھے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے، اور دین میں اختلاف پیدا کرنیوالی خواہشات،
 فرقہ بندی پیدا کرنیوالے خیالات اور مردود فرقوں سے حفاظت فرمائے مثلاً مشبہ،
 معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ۔ اور ان کے علاوہ ان لوگوں سے جو سنت و جماعت کے
 مخالف اور ضلالت و گمراہی کے حلیف (رفیق) ہیں (مثلاً مودودی، رضاخوانی، قادیانی،
 غیر مقلدین) اور ہم ان سے برأت ظاہر کرتے ہیں اور یہ (تمام فرقے) ہمارے
 نزدیک گمراہ ہیں اور اللہ کی ذات سے عصمت و توفیق مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ درود

وسلام نازل فرمائے ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور آپ کی لولاد و اصحاب پر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔

تشریح: (۱۱۳) ان تمام فرق باطلہ کی مکمل تفصیل مقدمہ میں آچکی ہے ہم ان کے خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ سے مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم نے برأت کا اظہار فرمایا تھا را شاد باری ہے و اذ قال ابراهيم لا يبيہ و قومہ انبی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی فانی سنیهدین۔ (زخرف) اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا بلا شبہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے را اور است دکھائے گا۔

ضمیمہ از حکیم الاسلام قدس سرہ

مَبَانِیُ الْخِلَافَةِ وَالسِّيَاسَةِ الدِّينِيَّةِ وَ غَايَاتُهَا مِنَ الْمُحَاشِي
مُدَّ ظَلُّهُ

ترجمہ: خلافت اور سیاست دینیہ کی بنیادیں اور اس کی غایات (مقاصد) محشی مد ظلہ کی جانب سے۔

توضیح: مبانی: منشی کی جمع ہے معنی بنیاد۔ خلافت: باب (ن) جانشین ہونا، سیاست: اساس سیوس، (باب ن) انتظام کرنا۔ غایات: غایۃ کی جمع ہے، انتہاء، مقصود۔

تشریح: مصنف علیہ الرحمہ نے مسئلہ خلافت کو اس کی دینی اہمیت اور اسلامی سیات اور اجتماعیت کی بنیاد کی وجہ سے عقائد ضروریہ میں شمار کیا اور اس پر گفتگو فرمائی اور اپنے ذوق کے مطابق جس قدر ضروری سمجھا بیان کر دیا۔ محشی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ رئیس الجامعۃ دارالعلوم

دیوبند نے خلافت کے تقاضے اور اسکے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک متن کا اضافہ فرمایا، تاکہ طالبین کے سامنے خلافت کا صحیح نقشہ سامنے آجائے جو تاریکی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے، مذکور بالا عبارت اسی متن کا عنوان ہے۔

نظام خلافت کو قائم کرنے کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو متن کی شرح میں بیان کیا جائیگا اس سے پہلے خلافت کے متعلق ضروری تفصیل ملاحظہ کرتے چلے، خلافت کا مطلب ہے زمین کا نظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کیلئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر کرنا، قرآن مجید میں ہے کہ اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ کا ہے ارشاد باری ہے **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ** زمین کے انتظام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں جو بظن خداوندی زمین پر سیاست و حکومت اور بندگان خدا کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے اور احکام الہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفہ و نائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے پس میں کسی کے کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسی چیز نہیں جس کو کوئی اپنی سعی و عمل سے حاصل کر سکے بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنے علم و حکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کیلئے چن لیتے ہیں جن کو اپنا نبی و رسول و خلیفہ و نائب قرار دیتے ہیں قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے **اللَّهُ يَصْطَلِفِي مِنَ الْمَلَكُوتِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ** اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں اپنے رسول کا اور انسانوں میں سے بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے نیز ارشاد ہے **اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** (انعام) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمادیں۔

یہ خلیفہ اللہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں یہ سلسلہ خلافت و نیابت الہیہ کا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی انداز میں چلا رہا یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت سی اہم

خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ سے قبل انبیاء خاص خاص قوموں یا ملکوں کی طرف ہوتے تھے ان کا ملکہ حکومت و اختیار انہیں قوموں اور ملکوں میں محدود ہوتا تھا ابراہیم علیہ السلام ایک قوم کی طرف، لوط علیہ السلام ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے، اور حضرت عیسیٰ و حوئیؑ اور ان کے درمیان آنوالے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوم جنات و انسان کی طرف بھیجا گیا آپ کا اختیار و اقتدار پوری دنیا کی قوموں پر حاوی فرمایا گیا قرآن کریم نے آپ کی بعثت و نبوت کے عام ہونے کا اعلان اسی آیت میں فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْبَیِّنٰتِ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (اعراف) آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف اللہ و ہدایت ہے جس کے قبضہ میں ہے ملک آسمان و زمین کا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں خاص فضیلت بخشی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو تمام عالم کا رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔

دوسری خصوصیت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت و نیابت جس طرح خاص خاص ملکوں اور قوموں میں محدود ہوتی تھی اسی طرح ایک خاص زمانے کیلئے مخصوص ہوتی تھی اس کے بعد دوسرا رسول آجاتا تو پہلے رسول کی خلافت و نیابت ختم ہو کر آنے والے رسول کی خلافت قائم ہو جاتی، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے خاتم الانبیاء بنا دیا کہ آپ کی خلافت و نیابت قیامت تک قائم رہے گی اس کا زمانہ بھی کوئی مخصوص زمانہ نہیں بلکہ جب تک زمین و آسمان قائم اور زمانے کا وجود ہے وہ بھی قائم ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ایک زمانہ تک محفوظ رہتی اور چلتی تھی رفتہ رفتہ اس میں تحریفات ہوتے ہوتے کا لہم ہو جاتی

تھی اس وقت کوئی دوسرا رسول اور دوسری شریعت بھیجی جاتی تھی۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا دین اور آپ کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی قرآن مجید جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اس کے تو الفاظ اور معانی سب چیزوں کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَخٰفِضُوْنَ (حجر) بیشک ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و ارشادات جن کو حدیث کہا جاتا ہے اس کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انتظام فرمادیا کہ قیامت تک آپ کی تعلیمات اور ارشادات کو جان سے زیادہ عزیز سمجھنے والی ایک جماعت باقی رہے گی جو آپ کے علوم و معارف اور آپ کے شرعی احکام صحیح معج لوگوں کو پہنچاتی رہے گی کوئی اس کو مٹانہ سکے گا اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی ان کے ساتھ رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور صحیفے مسخ اور محرف ہو جاتے اور بالآخر دنیا سے گم ہو جاتے یا غلط سلط باقی رہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب قرآن اور آپ کی بتلائی ہوئی ہدایات حدیث سبکی اپنے اصلی خدو خال کے ساتھ قیامت تک موجود و محفوظ رہے گی اسی لئے اس زمین پر آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت ہے نہ کسی اور خلیفۃ اللہ کی گنجائش۔

چوتھی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت و نیابت جو محدود زمانے کیلئے ہوتی تھی ہر نبی در رسول کے بعد دوسرا رسول منجانب اللہ مقرر ہوتا اور نیابت کا کام سنبھالتا تھا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خلافت و نیابت تا قیامت ہے اس لئے قیامت تک آپ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کیلئے جو نائب ہو گا وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہو گا، صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَانَثُ بَنُو اسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهُ

نَبِیٌّ وَ اِنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدَیْ وَ سَیَكُونُ خُلَفَاءُ فِیْكَثْرُوْنَ۔ نبی اسرائیل کی سیاست و حکومت انکے انبیاء کرتے تھے ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا اور خبردار رہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں میرے خلیفہ ہونگے اور بہت ہونگے۔

پانچویں خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کی امت کے مجموعے کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے یعنی امت کے مجموعے کو معصوم قرار دیدیا کہ آپ کی پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہیں ہوگی، یہ پوری امت جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق کرے وہ حکم خداوندی کا مظہر سمجھا جائے گا اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بعد اسلام میں تیسری حجت اجماع امت قرار دی گئی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لَنْ یُجْتَمِعَ اُمَّتِیْ عَلٰی الضَّلَالَةِ، میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔

اسکی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہو جاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، دنیا کتنی ہی بدل جائے حق کتنا ہی مضل ہو جائے مگر ایک جماعت حق کی حمایت ہمیشہ کرتی رہے گی اور انجام کار وہی غالب رہے گی۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر مجتمع نہ ہوگی اور جبکہ امت کا مجموعہ معصوم قرار دیدیا گیا تو خلیفہ رسول کا انتخاب بھی اسی کے سپرد کر دیا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابت زمین اور نظم حکومت کیلئے انتخاب کا طریقہ مشروع ہو گیا یہ امت جسے خلافت کیلئے منتخب کر دے وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا، اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہو سکتا ہے۔

خلفاء راشدینؓ کے آخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اور اسی لئے ان کے فیصلے صرف دینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کیلئے حجت مانے جاتے ہیں کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔ خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوک کا آغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر

بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جاسکتا ہے، اور جب پوری دنیا سے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر حذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اسکا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہی اس ملک کا امیر اور اولوالامر کہلائے گا قرآن مجید کے ارشاد وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنِهِمْ کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہے فرق اتنا ہی ہے کہ عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد و خود مختار ہیں محض اپنی رائے سے جو اچھلایا بر ا قانون بنا سکتے ہیں اسلامی اسمبلی اور اسکے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ملا ہے اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کیلئے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کیلئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہو سکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا انہیں اختیار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے جو فرمایا ہے کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) اس سے دستور مملکت کی چند اہم دفعات پر روشنی پڑتی ہے اول یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلیٰ اللہ جل مجدہ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کیلئے اسکا نائب و خلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے۔ اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلافت الہیہ کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تو اب خلافت کا سلسلہ اسکے قائم مقام ہو اور اس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔ (جواہر المعارف ص ۸۳)

(۱۱۴) وَمِنْ اِفْتِضَاءِ الْخِلَافَةِ الْاِسْتِخْلَافِ وَهُوَ نَصْبُ الْاِمَامِ

عَلَى كُلِّ حَالٍ حَسَبِ الْاِسْتِطَاعَةِ لِئَلَّا يَنْقُضَ الْقَوْمُ فَوْضِي (۱۱۵)

وَاِنتِخَابِ الْاَصْلَحِ بِمِغْيَارِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ.

ترجمہ: (۱۱۳) اور خلافت کا تقاضا ہے خلیفہ بنانا، اور وہ ہر حال میں حسب استطاعت امام و حاکم کا تقرر ہے تاکہ قوم بغیر امیر نہ رہے (۱۱۵) اور خلافت کیلئے ایسے شخص کا انتخاب ہو گا جو علم سیاست اور ملکی حفاظت کے باصلاحیت معیار پر ہو۔

توضیح: اقتضاء: باب افعال، تقاضا کرنا۔ استتلاف: باب استفعال، جانشین بنانا۔ انتخاب: باب افعال، منتخب کرنا۔ فوضی: باب مفاعلت سے ماخوذ ہے معنی برابری۔ فوضی وہ قوم جس کا کوئی امیر نہ ہو۔

تشریح: (۱۱۳) خلافت کا منصب اسلام میں ایک عظیم الشان اور جلیل القدر منصب ہے، نجی اور انفرادی زندگی، گھریلو زندگی، حتیٰ کہ شہری و ملکی زندگی میں نظام امن و امان اور صلح و آسقی قائم رکھنے کیلئے دین کی حفاظت، حق مبین کی نصرت، احکام الہیہ کی تصفیہ، اسلامی سرحدوں کی نگہبانی، اخلاق و معاشرت کو بہتر بنانے، جرائم اور فتنہ و فساد کی روک تھام، منکرات کا خاتمہ، امیر و غریب مرد و عورت چھوٹے بڑے انسانوں میں مساوات، پیار و محبت، ہمدردی اور اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کیلئے منصب خلافت کی شدید ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع فرمایا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

خلافت و ملوکیت دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کیونکہ ان دونوں میں شوکت و عظمت اور قوت کے معنی مشترک ہیں، پس قرن صحابہ کے بعد لوگوں نے ریاست اور شوکت عامہ کو حاصل کرنے کے لئے خلافت کے نام سے ملوکیت کو اختیار کیا پس انھوں نے خلافت کا نام تو باقی رکھا لیکن شرف و مال اور اقتدار کے لالچ میں خلافت کی حقیقت اور روح کو دفن کر دیا جبکہ حدیث میں ہے کہ جب مال اور حب جاہ دونوں دین کیلئے ان دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ مہلک ہیں جو بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر انہیں نقصان پہنچائیں۔ پس لوگوں نے خلافت اور حکومت اسلامیہ کے نام پر ریاست قائم کی اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل

کہنے کیلئے عدل، ایمان اور تقویٰ تین دین اور نصر تین دین کو آئینہ نیا اور فتنہ و فساد اور ظلم برپا کیا، جنگ و جدل کو اختیار کیا اور گمراہ کن عقائد اور اعمال کے گڈھے میں خود بھی گرے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس طرح خلافت کی حقیقت اور صحیح صورت حال کو نظر سے اوجھل کر دیا خاص طور سے اس زمانے میں لوگ خلافت کی طرف سے ایسی تہہ بہ تہہ تاریکیوں میں ہیں کہ اگر آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھائی نہ دے۔

اس لئے ضروری تھا کہ خلافت الہیہ کی بنیادی باتوں اور خلافت و ملوکیت کے درمیان فرق کو بقدر ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے، تاکہ اس سے تلبیس کا پردہ اٹھ جائے اور حق کا اظہار اور باطل کی تردید ہو۔ مصنفؒ نے اسکے بیان میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے، اسلئے کہ اس وقت خلافت کا دور گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا خلافت کا صحیح نقشہ اور اس کا حقیقی مفہوم عام طور پر لوگوں کے دل و دماغ میں بیٹھا ہوا تھا اسلئے تفصیل و وضاحت کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ زمانہ خلافت کا زمانہ نہیں ہے بلکہ جہل، فساد قلب اور بھلائی کے نام پر سر سے فائدہ اٹھانے کا زمانہ ہے اسلئے اسکی قدرے وضاحت ضروری ہے۔

ما قبل کی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خلافت کی دو قسمیں ہیں (۱) خلافت الہیہ (۲) خلافت رسول۔ پس اللہ کے پہلے خلیفہ اس کی زمین میں انبیاء و رسل ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (نقرہ) حضرت داؤدؑ کے متعلق ارشاد باری ہے یَا دَاوُدْ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (ص) اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ مقرر کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام مخلوق کے مقتدی، امام اور خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح آپ خاتم الخلفاء بھی ہیں خلافت الہیہ کے اس مقدس سلسلہ کو آپ کی ذات اقدس پر ختم کر دیا گیا اور جس طرح آپ افضل الانبیاء ہیں اسی طرح افضل الخلفاء بھی ہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَعَلَیْ اَهْلِ السَّمَاءِ بِاَشْبَہِ اللّٰهِ تَعَالٰی نے محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو تمام امتیہ اور آسمان والوں پر فضیلت دی ہے۔
 انبیاء مائتین کی خلافت ان کے صالحین و ارثین میں چلتی تھی۔ متعدد انبیاء کے
 متعلق قرآن مجید میں مذکور ہے اَوَّلَ الْاِیْمَانِ فَسَلَّمَ عَلَیْهِمُ مَا لَیْسَ بِالْاِیْمَانِ وَ
 جَعَلْنَاکُمْ خُلَافَیْنِ وَ اَعْرَفْنَا الَّذِیْنَ کَذَبُوْا بِاٰیٰتِنَا۔ اور ہم نے تم کو خلیفہ
 بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلادیا۔ قوم ہود کے بارے
 میں ارشاد ہے وَ اذْکُرُوْا اِذْ جَعَلْنَاکُمْ خُلَافَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ اور یاد کرو اس
 وقت کو جب خلیفہ بنایا تم کو قوم نوح کے بعد۔ قوم صالح کے بارے میں ارشاد ہے وَ
 اذْکُرُوْا اِذْ جَعَلْنَاکُمْ خُلَافَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَ بَوَّأْنَاکُمْ فِی الْاَرْضِ۔ اور یاد کرو
 اس وقت کو جب خلیفہ بنایا تم کو قوم عاد کے بعد اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں۔ حضرت
 ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنْبَالُ عَهْدِیْ الظَّالِمِیْنَ۔ اور
 میری ذریت میں سے (بھی امام بنا) تو فرمایا میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہوگا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت آپ کے صالح
 وارثین اور خلفاء راشدین کی طرف منتقل ہو گئی اور ان کے بعد خلفاء مہدیین کی طرف
 یہاں تک کہ امت میں بارہ خلفاء ظاہر ہوں جس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا لَا
 یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَا ضَمِیْنَا مَا وَلَا تُهْمُ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلًا۔ لوگوں کے امور
 برابر چلتے رہیں گے (قیامت قائم نہ ہوگی) جب تک بارہ خلفاء ظاہر ہوں۔ نیز ارشاد
 رسول ہے کَیْفَ تَهْلِکُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَ اَلْمُهْدِیْ وَ سَطَطُهَا وَ اَلْمُنْسِیْخُ
 اٰخِرُهَا۔ (منکھوۃ) امت کیسے ہلاک ہو جائیگی جبکہ میں اسکا اول اور امام مہدی درمیان،
 اور صحیح ہدایت عیسیٰ اسکے آخر ہیں۔

بہر حال خلافت کے کچھ آثار، خواص، صفات، مقتضیات، ارکان اور غایات
 و مقاصد ہیں مثلاً :

قوم کا جاکم امیر اور خلیفہ ہو، تاکہ قوم بلا امیر نہ رہے، کیونکہ اسلام اجتماعیت کا
 متقاضی ہے اور اجتماعیت اس وقت ہوتی ہے جب ان کا ایک سربراہ مقرر ہو تاکہ اسکی

سیادت میں دین و دنیا کے نقصان سے محفوظ رہا جاسکے، انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی صحیح طریقہ پر ہو ماں باپ اور انکی اولاد میاں، بیوی، بھائی، بہن، چچا، بھتیجا، ساس بہو، اقرباء و پڑوسی کے باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو، وہ عبادت و معاملات جو سیادت پر موقوف ہیں بحسن و خوبی انجام پائیں حسن معاشرت اور اخلاق حمیدہ کی فضا پیدا ہو احکام الہی کی تنفیذ ہو۔

امیر و حاکم اور خلیفہ کا انتخاب اربابِ حل و عقد کریں گے اور اس فریضہ کی انجام دہی میں کسی بھی طرح کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ ہندوستان میں چونکہ مسلمان امیر کے انتخاب سے عاجز ہیں اس لئے وہ معذور شمار ہونگے اور اس فریضہ کے ترک کی وجہ سے گناہ گار نہ ہونگے۔

امیر ہر کس دنیا کس کو نہیں بنایا جائیگا نا اہل کو امیر بنانا ظلم عظیم ہے بلکہ امارت کیلئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائیگا جو دیانت داری کے ساتھ علم سیاست سے پوری طرح واقف ہو اور نظام سیاست کی پوری صلاحیت رکھتا ہو تاکہ نظام سلطنت مستحکم اور برقرار رہ سکے اسی لئے اگر ایک شخص نیک صالح ہے اور علم دین کا ماہر ہے مگر انتظامی صلاحیت نہیں رکھتا دوسرا شخص اگرچہ اتنا علم نہیں رکھتا مگر انتظامی صلاحیت پوری مکمل رکھتا ہے اور حالات کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو خلافت کیلئے یہی شخص منتخب کیا جائیگا کیونکہ انتظامی قابلیت کی وجہ سے یہ قوم کی زیادہ خدمت کر سکے گا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ خلافت کا مدار وراثت پر نہیں بلکہ انتخاب پر ہے ارشاد باری ہے وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مِنْ یَّشَآءُ (بقرہ) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے (اس میں کسی نسب، مال، قبیلہ یا جماعت کی تخصیص نہیں) اصْطَفَاہُ عَلَیْکُمْ فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ منتخب کیا اس کو تم پر علم اور قوت میں۔ حدیث میں ہے اسْمَعُوا وَاطِیعُوا وَلَوْ اَمَرَ عَلَیْکُمْ غِبْدٌ خَبِیْثٌ۔ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو۔ مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہِ فَقَدْ مَاتَ مَوْتًا جَاهِلِیَّةً۔ (حدیث) جس نے اپنے زمانے کا امام نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(۱۱۶) وَتَقْوِيضُ الْأَمْرِ إِلَى مَنْ لَا يَسْتَفِيهِ إِلَّا مَنْ يُطْلَبُهُ لِابْتِغَاءِ
مَرْضَاةِ اللَّهِ وَ النَّاسُ يَعْرِفُونَ لِبَصْدِهِ وَ إِخْلَاصِهِ (۱۱۷) وَ
يَلْزَمُهُ الشُّرَى لِلدَّفْعِ الْإِسْتِدَادِ وَ عَلَيْهِ الْعَزِيمَةُ وَ التَّرْجِيحُ
لِلدَّفْعِ الْإِنْتِشَارِ وَ الْقَوْضُيَّةِ.

ترجمہ: (۱۱۶) اور امور سلطنت پر ایسے شخص کو فائز کیا جائے گا جو اس کا طلبگار نہ ہو مگر جو شخص اس عہدے کو رضائے الہی کیلئے طلب کرے اور لوگ اس کے صدق و لائت اور اخلاص و للہیت کو جانتے ہوں (۱۱۷) اور امام کیلئے لازم ہے کہ مجلس شوری قائم کرے ڈکٹیری کو ختم کرنے کیلئے اور رائے کے اختلاف اور بے سری کو دور کرنے کیلئے امام پر لازم ہے کہ کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور جنگل سے اس پر عمل کرے

توضیح: باب تفویض: باب تفعل پر دکرنا۔ یبتغیہ: باب افعال، طلب کرنا۔ مرضاة: مصدر باب س، خوش ہونا۔ اخلاص: باب افعال، (۱) تلخٹ سے صاف کیا ہوا مکھن (۲) اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بنانا (۳) اعمال کو کدورتوں سے پاک رکھنا (۴) اللہ اور بندے کے درمیان پردہ جسے فرشتہ بھی نہ جانے کہ اسے لکھے نہ شیطان جانے کہ اسکو روک دے۔ صدق: کذب کی ضد ہے (۱) موقع ہلاکت میں حق بات کہنا۔ قشیری نے کہا ہے کہ صدق یہ ہے کہ تیرے احوال میں ملاوٹ نہ ہو، تیرے اعتقاد میں شک نہ ہو، تیرے اعمال میں کوئی عیب نہ ہو۔ صدق و اخلاص میں فرق یہ ہے کہ صدق اصل ہے اور اس کا ظہور پہلے ہوتا ہے اخلاص اسکی فرع ہے اور اس کا ظہور بعد میں ہوتا ہے۔ (کتاب المعرفات ص ۱۲۸)

تشریح: (۱۱۶) اگر کوئی شخص حب جاہ اور حب مال کے لالچ میں اور نفسانی اغراض کی وجہ سے خلافت کا طلبگار ہو تو اس کو یہ عہدہ سپرد نہ کیا جائیگا۔ ارشاد رسول ہے اَنَا وَاللَّهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ (الامارة) اخذاً سألہ وَلَا اخذاً حرص علیہ. (مشکوٰۃ) اللہ کی قسم ہم اس امارۃ کا

والی نہیں بنائیں گے کسی کو جو اس کا مطالبہ کرے اور ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔

البتہ اگر اس کا مطالبہ صرف رضائے الہی اور لوگوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ہے یا دوسرا آدمی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر اس شخص نے پیش قدمی نہ کی تو باہل قبضہ جمائیں گے اور لوگ اسکے صدق و اخلاص کو جانتے ہیں تو اسکے منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اگر وہ دوسروں کے مقابلے میں لائق ترجیح ہو تو اسی کو ترجیح دی جائیگی۔

جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے درخواست کی تھی اجعلننی علی خزائن الأرض۔ (یوسف) مجھے زمین کے خزانوں کا والی مقرر کر دیجئے۔ یہ درخواست رضائے الہی اور لوگوں کی خیر خواہی کی بنا پر تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں علم سیاست اور ملکی حفاظت کا وہ ملکہ اور کمال عطا فرمایا تھا جو لوگوں نے دیکھا اور لوگ انکی انتظامی خوبیوں کی وجہ سے سات سال تک قحط سالی کی پریشانی سے محفوظ رہے بہر حال اس امر کے آپ اہل بھی تھے اور ارباب حل و عقد انکے صدق و اخلاص کو جانتے بھی تھے و هو النبی الکریم ابن الکریم ابن الکریم

(۱۱۷) مشورہ میں چونکہ خیر ہے، حق کی تلاش ہے بلا مشورہ نظم و نسق میں خطہ کا امکان بھی زیادہ اور من مانی بھی جس کو ڈکثیر شب کہا جاتا ہے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے اس لئے امام کو لازم ہے کہ امور مملکت میں ضرورت کے وقت مشورہ کرنے کیلئے اہل الرائے کی مجلس شوریٰ قائم کرے۔ ارشاد باری ہے و مشاورہم فی الامر۔ ان سے معاملہ میں مشورہ کر۔ و امرہم شوریٰ بنینہم۔

اگر اراکین شوریٰ کی رائے کسی جانب متفق نہ ہو سکیں تو امام صاحب کو حق ہوگا کہ دلائل کی روشنی میں کسی ایک جانب کو ترجیح دیکر اس پر عمل کرے اور اگر کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہو تو حاکم کا درجہ اس مسئلہ میں ایک رکن ہی کا ہوگا جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ انبیٰ واحد کما حدیثکم۔ میں تم میں کے ایک فرد کے برابر ہوں۔

(۱۱۸) وَ الْقَانُونُ الْقَطْعِيُّ لِلتَّمَسُّكِ (۱۱۹) وَ الْحُكْمُ بِالْعَدْلِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ (۱۲۰) وَ عَلَى الْقَوْمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى مَنْشِطٍ وَ مَكْرَهٍ إِذْ لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (۱۲۱) وَ يَلْزُمُهُ الْإِعْدَادُ الْمُسْتَطَاعُ لِلْحِفْظِ وَ مَدِّ الثُّغُورِ وَ الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لِدَفْعِ الْفِتْنَةِ وَاعْلَاءِ كَلِمَةِ اللَّهِ وَ التَّيْسِيرِ لِلْهَاجِرَةِ لِمَنْ يُهَاجِرُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَكَايِدَ كَانَتْ أَوْ مَعْنَوِيَّةً.

ترجمہ: (۱۱۸) اور اعتصام (اجراء احکام) کیلئے قطعی قانون ضروری ہے (۱۱۹) اور یہ بھی ضروری ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے چاہے وہ فیصلہ اپنے ہی خلاف پڑے۔ (۱۲۰) اور قوم پر امام کی بات سنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خوشی کے ساتھ ہو یا جبریہ، بشرطیکہ خالق کائنات کی نافرمانی کا حکم نہ دے (۱۲۱) اور امام کو حسب استطاعت ملکی حفاظت اور سرحدی حفاظت کی تیاری لازم ہے اور دفع فتنہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے راستہ خداوندی میں جہاد کرنا بھی ضروری ہے اور ہر اس شخص کی ہجرت کیلئے سہولت فراہم کرنا لازم ہے جو راستہ خداوندی میں ہجرت مکانی یا ہجرت معنوی کرنا چاہتا ہے۔

توضیح: منشط: خوش دلی۔ مکروہ: ناپسندیدگی۔

تشریح: (۱۱۸) خلافت کے تقاضے میں سے ہے کہ قانون قطعی ہو جس کی بنیاد پر امام احکام کا اجراء کر سکے اور عالم میں امن و امان قائم ہو، شر و فتنہ ختم ہو، معبود حقیقی کی کھل کر عبادت ہو، چنانچہ وہ قانون قطعی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اجماع امت اور مجتہدین کا قیاس ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو معلوم کیا کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو عرض کیا سنت رسول ہے، آپ نے فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ملے؟ تو عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تمام تعریفیں ہیں خداوند لا شریک کیلئے جس نے رسول اللہ کے رسول کو وہ توفیق دی جس سے رسول اللہ خوش ہوں۔ (مختلوة)

(۱۱۹) شریعت نے سیاست دینیہ کے ذریعہ امام کو حکم دیا کہ احکامات اور فیصلوں میں عدل و انصاف سے کام لے اور کتاب و سنت کو لازم پکڑے خواہ وہ فیصلہ خلاف پڑے، ارشاد باری ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ** (نساء) اے مومنو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی صرف اگرچہ ہو تمہارا نقصان یا ماں باپ کا یا اقربہ کا۔ **كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُخَيِّطَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ**۔ (بقرہ) لوگ ایک جماعت تھے سو بھیجا اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

(۱۲۰) قوم کی ذمہ داری ہے کہ امام کی اطاعت کریں اسکے فیصلوں کو تسلیم کریں اور اس کی باتوں کو سنیں اور مانیں خواہ وہ بات اور فیصلہ دل کو بھائے یا نہ بھائے، البتہ معصیت کے کاموں میں اس کی اطاعت نہ کی جائے۔ مومن کی شان اللہ نے یہی بیان کی ہے **وَقَالُوا سَبِّحْنَا وَاطَّعْنَا**، (بقرہ) اور کہہ اٹھے ہم نے سنا اور قبول کیا۔ ارشاد رسول ہے **أَوْصَيْنُكُمْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ**، میں تم کو سماع و طاعت کا حکم دیتا ہوں۔ **السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ**، (حدیث) مسلمان پر پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزوں میں سماع و طاعت لازم ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا **بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ**۔ انہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکی اور آسانی اور خوشی اور ناخوشی میں سماع و طاعت پر بیعت کی ہے۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ، (حدیث مشکوٰۃ) خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے وَ اِنْ جَاغِذَاكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِنِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (لقمان) اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ (۱۲۱) امام کو چاہئے کہ وہ مطمئن ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اپنے فرائض منصبی کو انجام دے، اور وسعت کے مطابق دشمن اور باطل طاقتوں کے خلاف فوجی تیاری کرے سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ کفار حملہ آور نہ ہو سکیں، ارشاد باری ہے وَ اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ غَدُوَّ اللّٰهِ وَ غَدُوَّكُمْ وَ اٰخِرِيْنَ مِنْ ذٰوْنِهِمْ (انفال) اور تیاری کرو ان کے لئے جو طاقت رکھتے ہو قوت سے اور گھوڑے باندھ کر اس سے اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو ڈرانے کیلئے اور ان کے علاوہ دوسروں کو۔

کفار کو دعوتِ حق دیں اگر وہ قبول کر لیں تو فیہا ورنہ دعوتِ جدیہ دے اگر قبول کر لیں تو بہت اچھا اگر دونوں ہی باتوں کا انکار کر دیں تو ان سے جہاد کیا جائے تاکہ شر، فتنہ فساد اور مہلک مادہ ختم ہو اور اللہ کا دین سر بلند ہو۔ ارشاد باری ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِيْنَ وَ اَعْلَظْ عَلَيْهِمْ. (توبہ) اے نبی کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر تند خوئی کر۔ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنُ فِتْنَةً وَ يَكُوْنُ الدِّيْنُ لِلّٰهِ. (بقرہ) اور ان سے لڑائی کرو تاکہ فساد باقی نہ رہے اور حکم خدا تعالیٰ ہی کا رہے۔

پہلے دعوت اس لئے ضروری ہے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ قتال سے ہمارا مقصد جان و مال نہیں ہے بلکہ شر و فتنہ کا خاتمہ اور تبلیغِ دین ہے، ہند اور بیرون ہند مدارس اسلامیہ اور تبلیغی مراکز جو تبلیغِ دین کا کارنامہ انجام دیرے ہیں اس کی بنیاد شریعت کے عین مطابق ہے اس کو خلاف شریعت کہنا اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا خلاف اصول ہے۔ اسی طرح امام پر لازم ہے کہ جو شخص ہجرت کرنا چاہتا ہے اس کے

لئے اسباب سہولت فراہم کرے خواہ ہجرت مکانی ہو یا معنوی۔ ہجرت مکانی تو یہ ہے کہ دارالحرب میں اپنے ایمان کی حفاظت اور احکام اسلام پر عمل دشوار ہو تو وہاں سے دارالاسلام کی جانب ہجرت کرے اور امام اس کی سہولت کے اسباب مہیا کرے اور ہجرت معنوی یہ ہے کہ منہیات سے بچ کر مامورات کو لازم پکڑ لے یہاں بھی امام پر حسب حیثیت لازم ہے کہ ان کی سہولیات پر نظر رکھے مثلاً اگر علماء حق ہیں یا مفتیان کرام یا قاضی وغیرہ تو بیت المال سے ان کے وظیفہ مقرر کرے ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَقَّاهُمْ الصَّلٰوۃُ ظَالِمِیۡنَ اَنْفُسِهِمْ قَالُوۡا فِیۡمَ كُنْتُمْ قَالُوۡا كُنَّا مُسْتَضْعِفِیۡنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوۡا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضَ اللّٰهِ وَاَسَعَتْ فِتْجَاجُہَا فِیۡہَا فَاُولٰٓئِکَ مَا وُہُمۡ جَہَنَّمَ وَاَسَاءَ ثَٰ مَصٰیۡرًا (نساء) بلاشبہ وہ لوگ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تھے بے بس اس ملک میں، کہتے ہیں فرشتے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی جو وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے سوائیوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ یُجِدْ مُرَآغِمًا کَثِیۡرًا وَّ سَعَةً (نساء) اور جو کوئی وطن چھوڑ دے اللہ کی راہ میں، پاوے گا اس کے مقابلے میں بہت جگہ اور کشائش۔ وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (حدیث) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

(۱۲۲) وَ الْاِحْتِسَابُ لِلْاِیْقَاطِ وَ الْمَوَآخِذِ (۱۲۳) وَ غَايَتُهَا اِقَامَةُ الدِّیۡنِ وَ حِفْظُ الْحُدُوۡدِ فِی الْعِبَادَاتِ وَ الْمُعَامَلَاتِ وَ الْمُعَاشِرَاتِ وَ نَظْمُ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوۡفِ وَ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اِقَامَةُ الْحُدُوۡدِ وَ الْقَصَاصِ وَ التَّعْزِیۡرَاتِ لَا زَالَۃَ الْمُنْكَرَاتِ

(۱۲۲) اور قوم میں بیداری رکھنے کیلئے جانچ پڑتال اور قانونی خلاف

ترجمہ: درزی سے بچانے کیلئے مواخذہ (کڑی نظر اور جو کسی) ضروری ہے

(۱۲۳) اور خلافت قائم کرنے کا مشا دین الہی کو قائم (جاری و ساری) رکھنا، عبادات، معاملات اور معاشرت میں شرعی حدود کی تمکبانی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کا نظم کرنا، اور منکرات (برائیوں) کو ختم کرنے کیلئے حدود، قصاص اور تعزیرات کا انتظام کرنا ہے۔

(۱۲۲) امام کا فریضہ ہے کہ لوگوں کے حالات اور ضرورتوں کی دیکھ رکھ رکھے اور ان کے دینی و دنیوی معاملات سے باخبر رہے تاکہ ان میں بیداری رہے، حتیٰ کہ مواخذہ اور تادیب کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے اور اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سیرت کو اپنائے، جنہوں نے خلافت کے فرائض کو کس ذمہ داری اور حسن و خوبی کے ساتھ نبھایا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا معمول یہ تھا کہ جب لوگ سو جاتے تو بستی اور جنگلوں میں گشت لگاتے اور لوگوں کے حالات کی خبر لیتے کہ کس حال میں ہیں اگر کوئی پریشانی ہوتی تو اسکو دور کرتے اور اگر کوئی دینی چیز چھوٹ جاتی تو اس پر مواخذہ فرماتے۔

(۱۲۳) دین کے قیام، حدود شرعی کی حفاظت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی تبلیغ اور حدود و قصاص کے نفاذ کیلئے خلافت جیسی مستحکم قوت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے شریعت اسلامیہ نے خلافت کے مسئلہ پر بوا زور دیا ہے۔

پس امام پر لازم ہے کہ اقامت دین اور اجراء دین کیلئے فرائض، واجبات، سنن، آداب کی رعایت خود بھی ملحوظ رکھے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائے، اور امت کا فریضہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتی رہے۔

ارشاد باری ہے الَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللّٰهُ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ (حج) وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

امام پر لازم ہے کہ شریعت نے جس معاملہ میں جو سزا مقرر کی ہے مجرم پر اس کو نافذ کرے اور اس میں قریب و بعید کو برابر سمجھے اور کسی کی طعن زنی اور ملامت کا اندیشہ نہ کرے ارشاد رسول ہے اَقِمْوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ تَنْقِرِبِ

وَالنَّعِیدُ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِی الْمَلَّةِ لَوْمَةٌ لَا نِیمَ قَرِیبٌ وَبَعِیدٌ مِیْلُ اللَّهِ كِیْ حُدُودِ قَائِمٌ كَرُوهُ اللَّهُ كَے بارے میں کسی کی ملامت تمہیں مانع نہ ہو۔ اقامۃ حد من حُدُودِ الْمَلَّةِ خَیْرٌ مِّنْ مَّطَرٍ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً فِی بِلَادِ الْمَلَّةِ (مُكَلَّوَةٌ) اللَّهُ كِیْ حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات کی بارش سے بہتر ہے۔

چنانچہ شرعی گواہوں سے ثبوت زنا کے بعد حد زنا، ثبوت سرقت کے بعد حد سرقت، ثبوت شرب خمر کے بعد حد خمر، اسی طرح حد قتل اور حد قذف وغیرہ جاری کرے۔ اگر کسی مجرم کیلئے کوئی سزا مقرر نہ ہو بلکہ حاکم کی رائے اور صوابدید پر موقوف ہو تو حاکم وقت اس کو اپنی صوابدید پر سزا دے کیونکہ عالم میں نظام امن قائم رکھنے اور خدا کی نافرمانی سے بچانے اور جرائم کو ختم کرنے کیلئے مجرم پر مقررہ سزا جاری کرنا ضروری ہے۔ جہاں حدود کا مسئلہ نہ ہو تو لوگوں کے ساتھ نرمی اور تسکین کا معاملہ کیا جائے اگر کچھ شبہات لاحق ہوں تو ان کو نرمی سے حل کر دیا جائے فرضیکہ اخلاق حسنہ سے انحراف نہ کرے ورنہ اشاعت دین میں خلل واقع ہوگا۔

(۱۲۴) وَ الرِّفْقُ وَ التَّطْيِيبُ لِتَرْوِیجِ الْمَعْرُوفَاتِ وَ التَّعْمِیْمِ لِلتَّعْلِیْمِ وَ الْاِشْكَارِ فِی ضَرْوَرِیَّاتِ الدِّیْنِ وَ التَّوَسُّعِ فِی التَّبْلِیغِ عَلٰی التَّذْرِیجِ حَسَبَ دَرَجَاتِهِ (۱۲۵) وَ التَّنْظِیْمِ بِالِاِغْتِصَامِ بِحَبْلِ اللَّهِ لِنَدْفِ الْفُرْقَةِ وَ تَوْحِیدِ الْأُمَّةِ وَ تَرْبِیَةِ خَلْقِ اللَّهِ عَلٰی اَخْلَاقِ اللَّهِ وَ لُغْصِهَا النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی خَمْسٍ وَ فِی مَبَانِیْ اَصُوْلِ السِّیَاسَةِ الدِّیْنِیَّةِ . الْجَمَاعَةِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ الْهَجْرَةِ وَ الْجِهَادِ.

توضیح: باب تطیب، خوشبو لگانا، اچھا کرنا۔ طیب خاطرہ: مطمئن کرنا، تسکین دینا، یہاں بھی معنی مراد ہیں۔

(۱۲۴) اور معروفات (بھلائیوں) کو رواج دینے کیلئے لوگوں کے (۱۲۵) ساتھ نرمی اور تسلی خاطر اور تعلیم کو عام کرنا اور دین کے ضروری احکام

پر عمل کرانے میں زبردستی کرنا اور تبلیغ کو تدریجی طور پر درجہ بدرجہ وسیع کرنا ہے۔ (۱۳۵) فرقہ بندی ختم کرنے، امت کو متحد کرنے، اخلاقِ خداوندی کے مطابق مخلوق خدا کی تربیت کرنے کے لئے اللہ کی رسی (دین الہی) کو مضبوطی سے پکڑنے کی تنظیم بنانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ خداوندی کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان فرمایا ہے (۱) جماعت (۲) امام کی بات سنا (۳) امام کی اطاعت کرنا (۴) ضرورت پیش آئے تو ہجرت کرنا (۵) اصول و شرائط کے ساتھ جہاد کرنا۔

(۱۳۴) بھلائیوں کی ترویج میں نرمی کا پہلو نہایت مؤثر ہوتا ہے ایسے لئے انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم دی، حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کے بارے میں ارشاد ہے فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طہ) جو اس سے نرم بات کہو شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ حضور ﷺ کو حکم ہوا خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ (اعراف) خود درگزر اختیار کیجئے بھلائیوں کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران) سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو ان کو نرم دل مل گیا اور اگر تو سخت خو سخت دل ہوتا تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے (کسی خاطر کیلئے) کام میں مشورہ لے۔ یعنی موقع بموقع نرمی اور سختی سے کام لے، نہ بھانری ہو کہ لوگ حلوہ سمجھ کر کھا جائیں اور نہ ایسی سختی کہ لوگ ایلا سمجھ کر نفرت کرنے لگیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے ۔

در سختی و نرمی بہم در رہ است کہ قاصد کہ جرح مرہم نہ است

نرمی و سختی علی وجہ الاتم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی ہے، ارشاد رسول ہے بُعِثْتُ مَرَحْمَةً وَ مَلَحِمَةً میں نرمی و سختی کرنا الایما کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ و خلفہ راشدین میں بھی نرمی و سختی علی وجہ الاتم موجود تھی ارشاد باری ہے اَنْشِئْهُمْ عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ۔ کفار کے مقابلے میں بہت

نحت، آپس میں رحمت۔

ضروریات دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے اور تعلیم کی اس طرح تکمیل کہ مکمل دین سے مع دلائل و حقائق و اقیقہ ہو جائے فرض کفایہ ہے، اسلئے امام کی ذمہ داری ہے کہ قوم کیلئے تعلیم کا معقول نظم و نسق کرے اور ان کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور تنبیہ کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے کیونکہ ضروریات دین میں تنبیہ کی تعلیم شریعت نے دی ہے ارشاد نبوی ہے جب بچہ سات سال کا ہو تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو۔

آہستہ آہستہ تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع کرے جو طریقہ نبوی کے مطابق ہو مثلاً پہلے اپنی، پھر اہل و عیال، پھر خاندان، پھر محلہ پڑوس اور بستی والوں کی اصلاح کی فکر کرے ارشاد باری ہے قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَارًا. خود کو اور اپنے اہل کو جہنم سے بچاؤ۔ وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. اور اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈراتے۔ لِيُنْذِرَ أُمُّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا. تاکہ تو مکہ والوں اور اسکے ارد گرد کو ڈرائے۔ لِيَتَّخِذَ الْغَالِمِينَ نَذِيرًا. تاکہ تو عالمین کیلئے ڈرائیو والا ہو۔

(۱۳۵) امام کا فریضہ ہے کہ ایسا مستحکم نظام بنائے کہ تمام لوگ ایک پلیٹ فارم پر آجائیں تاکہ آپسی پھوٹ، انتشار اور اختلاف سے محفوظ رہیں بلکہ بکھری ہوئی قوتیں مجتمع ہو جائیں ایسا نظام جل اللہ یعنی کتاب و سنت ہے۔ اسکے اختیار کرنے سے قوموں کی شیرازہ بندی ہوتی ہے، مردہ دلوں کو تازگی ملتی ہے۔ لیکن کتاب و سنت پر عمل اپنی رائے اور خواہش کے مطابق نہیں بلکہ سلف صالحین کی تصریح کے مطابق ہو ارشاد باری ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا. (آل عمران) سب مل کر اللہ کی رشتی کو مضبوط پکڑو۔

آج کل کی تنظیمیں شکلیں اس کا کامیاب حل نہیں کہ صرف کاغذی کاروائی ہو جائے اور اس موضوع پر ایک دو پروگرام کر کے لوگوں کو ترغیب دیدی جائے، یہی مطلوب تنظیم وہ ہے جو عمل پر آمادہ کرے ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وِزَارًا. (مریم) بلاشبہ جو

لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو رحمن محبت دے گا۔
 انبیاء کی بعثت کا مقصد انسان کی ظاہری و باطنی اصلاح و تزکیہ ہے۔ اور خلافت
 کا مقصد انبیاء کرام کی راہِ مستقیم پر چلانا ہے اس لئے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح خلافت
 کی غایت میں سے ہے، ارشادِ نبوی ہے **بُعِثْتُ بِالْإِسْلَامِ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ**۔ مجھے اسلئے مبعوث
 کیا گیا تاکہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ **تَخْلُقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ**۔ (حدیث)
 اخلاق خداوندی اختیار کرو۔ **وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَثَمِ وَبَاطِنَهُ**۔ (انعام) اور انہوں
 نے ظاہری و باطنی گناہ چھوڑ دیئے۔

ظاہر و باطن دونوں کے تزکیہ کا نام شریعت ہے البتہ متاخرین علماء تزکیہ باطن کو
 طریقت اور تزکیہ ظاہری کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ تزکیہ باطن کو تصوف
 و احسان بھی کہا جاتا ہے۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور، یا
 بالکل غلط ہے، شریعت اور طریقت دونوں ایک ہیں، اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ
 ہے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمہ
 فرماتے ہیں کہ شریعت نام ہے احکام تکلیفیہ کے اس میں اعمالِ ظاہری و باطنی سب
 آگئے۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت جزو متعلق باعمالِ ظاہرہ کا نام فقہ ہو گیا اور
 دوسرے جزو متعلق باعمالِ باطنہ کا نام تصوف ہو گیا۔ اور ان اعمالِ باطنی کے طریقوں
 کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جلا پیدا ہوتا ہے جس سے
 قلب بعض حقائق کو نبیہ بالخصوص اعمالِ حسنہ و سینہ اور حقائقِ الہیہ صفاتیہ بالخصوص
 معاملاتِ نبی اللہ و بین العبد منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں، اور
 اس پاکشاف کو معرفت۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔

(شریعت و طریقت ص ۳۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان
 فرمایا ہے ارشاد ہے **إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ
 وَجَلَّ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِخُمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ**

يُغْنِلُ بِهِمْ وَأَنْ يَأْمُرَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ أَنْ يَغْنُلُوا بِهِمْ (۱) بِعِبَادَةِ
اللَّهِ وَخَذَهُ لَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (۲) وَبِالصَّلَاةِ (۳) وَبِالصَّدَقِ (۴)
وَبِالصَّدَقَةِ (۵) وَبِذِكْرِ اللَّهِ كَثِيرًا. (وهذه اصول الديانة) وَأَمَّا
أَمْرُكُمْ بِغُنْمِ اللَّهِ أَمَرَنِي بِهِمْ الْجَمَاعَةُ وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ
وَالهجرة والجهاد. (وهذه اصول السياسة).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ باتوں کا
حکم دیا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو کرنے کا حکم دیں (۱) اللہ وحدہ
لا شریک کی عبادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) صدقہ (۵) اللہ کا کثرت سے ذکر۔ (یہ
اصول دین ہیں) میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے (۱)
جماعت مسلمین کا التزام (۲) امام کی بات سننا (۳) امام کی اطاعت کرنا (۴) ہجرت (۵)
جہاد۔ (یہ اصول سیاست ہیں)

ابن کثیر نے یہ حدیث یا ایہا الناس اغیبوا ربکم الذی خلقکم
کے تحت نقل کی ہے، پس یہی امور خمسہ اخلاق اللہ ہیں اور یہی امور خمسہ سیاست دینیہ
کی بنیاد ہیں۔

۹۹/۶/۱۸

تَمَّتْ وَبِالْفَضْلِ عَمَّتْ

وَضَلَّ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٌ وَ عَلَى آلِهِ
وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ . بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ .